آن دی ریکارڈ

On the Record

بھارت میں مذہبی آزادی کی نقاب کشائی

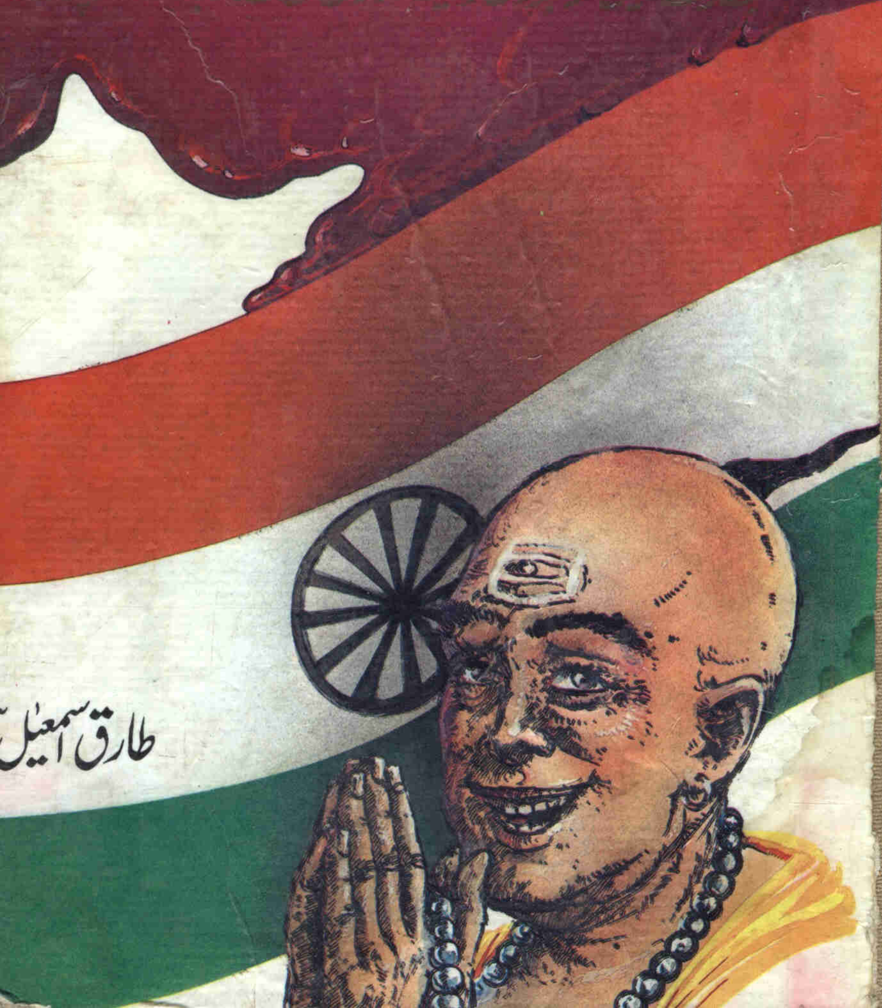

طارق اسمعیل

فہرست

عرض مصنف	۵
تقسیم ہند اور اس کا پس منظر	۹
تقسیم کے بعد	۲۳
پہلا کمانڈر انچیف	۵۵
یک طرفہ محبت	۶۳
سب اچھا	۷۰
تخریب کار ہم ہیں یا وہ ——؟	۷۶
مذاکرات کا وقت گزر گیا	۸۶
اندر کی کہانی	۹۴
"را" نے پہلا آپریشن رن آف کچھ میں کیا	۱۰۳
قاتل کون ہے ——؟	۱۱۱
بھارتی کرنل جو پاکستانی جاسوس تھا۔	۱۲۴
مسلمانوں کی حالتِ زار۔	۱۳۴
تعلیم سے محرومی	۱۴۸

میرٹھ میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر ایمنسٹی۔ انٹرنیشنل کی رپورٹ۔ ۱۵۴
بنگلہ دیش میں ہندو ریاست کے قیام کا منصوبہ ۱۸۴
جھاڑکھنڈ تحریک۔ ۱۹۳
غاصبو کشمیر سے نکل جاؤ۔ ۲۰۰
مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی تازہ لہر ۲۰۸
آر ایس ایس کیا ہے ؟ کیسے کام کرتی ہے۔ ۲۱۷

عرضِ مُصنّف

یہ کتاب جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں میرے مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان مضامین میں جنوب مغربی ایشیا کی بزعم خویش سب سے بڑی قوت اور خود کو ایشیا کا تھانیدار سمجھنے والی سیکولر حکومت بھارت کے کردار کو تاریخی حقائق اور معروضی واقعات کے ساتھ زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ زندگی کے بیشتر شعبوں میں ہمارے ہاں جو منافقت در آتی ہے۔ اس لعنت نے اور تو بہت سے ستم ڈھاتے ہوں گے لیکن سب سے بڑا ظلم یہ ہُوا کہ ہم سچ بولنے کی عادت کو ترک کرنے پر مجبُور ہونے لگے۔

مثلاً اگر ہم نے سفید کو سفید ہی کہنا ہے تو کہہ دینے میں کیا حرج ہے ؟ لیکن ہمارا دانشور فوراً یہ سوچتا ہے کہ جب کو مَیں یہ سچ بتانے جا رہا ہوں کیا وہ اسے پسند کرے گا ؟ یا اگر کرے گا تو کس شکل میں ؟ کس سیاق و سباق میں ؟ اور کتنا سچ ؟

جب بات کہنے سے پہلے اتنی مرتبہ سوچنا پڑے۔ اتنی مصلحتوں کو خاطر میں لانا پڑے تو پھر جان لیجئے کہ منافقت سے بولے جانے والا سچ اور عام زندگی کے جھوٹ میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

بد قسمتی سے یہ رویّہ قیامِ پاکستان کے فوراً ہی بعد سرکاری اور غیر سرکاری حاشیہ نشینوں نے اپنایا اور جس نہج پر قوم کی تربیت کی گئی اُس کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کانگریس سے قائد اعظم کی علیٰحدگی کا واحد سبب کانگریس کی مسلمانوں کے تئیں منافقانہ پالیسی تھی ـــــ اور اس دیدہ وَر نے جو مستقبل میں جھانکنے

اور حالات کی سنگینی کو جاننے کا فہم رکھتا تھا پھر کبھی کانگریس سے ہاتھ نہیں ملایا ——

پاکستان کا بچّہ بچّہ جانتا ہے کہ قائدِ اعظمؒ نے گاندھی، نہرو، پٹیل اور اس قماش کے دوسرے لیڈروں کے متعلق کیا کہا اور اُن کا کہا کتنا بڑا سچ تھا۔ لیکن کیا کیجئے کہ خود کو ترقی پسند، امن پسند، انسان دوست اور نجانے کیا کیا کہلوانے کے شوقین ہمارے تاریخ نویس، جغرافیہ دان، دانشور، محقق اور مُدبر اس سچ کو یا تو قبول ہی نہیں کرتے یا پھر بہت بد دلی سے قبول کرتے ہیں!

بھارت نے مالدیپ، سری لنکا، نیپال، بنگلہ دیش، پاکستان اور چین سے کیا سلوک کیا؟ کیا سلوک کرنے جا رہا ہے؟ کس طرح اس نے حیدر آباد، دکن، کشمیر گورداسپور کو ہڑپ کیا۔

کن کن حیلوں بہانوں سے گوا، سکم، بھوٹان کو نگل لیا —— اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے سینے میں کس کس اَدا سے اس نے خنجر نہیں اُتارا۔

آج بحیرہ ہند کو "ہند مہاساگر" بنانے والا بھارت اپنی بحری قوت میں اتنا اضافہ کر چکا ہے کہ آسٹریلیا جیسے دُور دراز مُلک کو بھی اس کی جارحیت کھلنے لگی ہے۔ مالدیپ، سری لنکا اور نیپال کو اس نے گزشتہ دو سالوں میں جو ننگی کا ناچ نچایا ہے وہ سب پر عیاں ہے ——!

مقبوضہ کشمیر میں، پنجاب میں، آسام میں، جھاڑکھنڈ میں، ناگالینڈ میں، میزولینڈ میں وہ کن کن ظالمانہ طریقوں سے اقلیتوں پر عرصہ حیات تنگ کر رہا ہے۔ ساری دُنیا نے جان لیا ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہیومن رائٹس (ملکی اور غیر ملکی جماعتیں) برہمن واد کا پردہ ساری دُنیا کے سامنے چاک کر چکی ہیں۔ ساری دنیا نے برہمن کا اصلی چہرہ دیکھ لیا ہے —— لیکن ——

مقامِ حیرت ہے کہ کوئی آنکھوں دیکھی، کانوں سُنی سچائی کو ماننے پر تیار نہیں —— ایک ایک دن میں چار چار سو بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

ایک دن میں مقبوضہ کشمیر کے سینکڑوں مکانات، دیہات بھارتی فوج نذرِ آتش کر رہی ہے، ایک دن میں دہلی جیسے بین الاقوامی نوعیت کے شہر میں تین ہزار بے گناہ سکھوں کو زندگی کی بھینٹ چڑھا کر مار ڈالا گیا، ایک دن میں آسام کے سات سو سے زائد بھارت دشمن قبائلیوں، طالب علموں کو بہیمیت کا نشانہ بنایا گیا۔ پاکستان کی سالمیت کو (خدانخواستہ) تہس نہس کرنے کے لیے صرف راجستھان کی سرحد پر تخریب کاری کے، ایکمپ لگاتے گئے، "را" کے سینکڑوں تربیت یافتہ تخریب کار گرفتار ہوگئے، پاکستانی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف نے ساری دُنیا کے پریس کے سامنے بتایا کہ بھارت نے پاکستان میں تباہ کاری کا اتنا خطرناک منصُوبہ بنایا ہے کہ وہ اپنی تمام غیر مُلکی مصروفیات ملتوی کرنے پر مجبُور ہو گئے ہیں لیکن —— کسی کے کانوں پر جُوں نہیں رینگی۔

امریکی کانگریس اور سینٹ، برطانوی دارالعلوم، کینیڈین پارلیمنٹ نے بھارتی اقلیتوں پر توڑے جانے والے مظالم کے خلاف قرار دادیں پاس کیں۔ بین الاقوامی پریس نے بھارتی اینٹی جنس کے عالمی امن کو تباہ کرنے کے منصُوبے کی ایسی ایسی رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانیاں سُنائیں کہ الامان! الحفیظ!

لیکن —— اپنا آدھا ملک گنوانے کے باوجود ہمارا پاکستانی دانشور اِن مسائل کو "معمول کی کارروائی" سے زیادہ اہمیت دینے پر تیار ہی نہیں۔

یہاں دوڑ لگی ہے ایوارڈ لینے اور ایوارڈ دینے کی —— ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور دیکھنے کی —— یار لوگوں کو ایک ہی خوف دامنگیر ہے کہ کہیں اُن کے قلم سے عالمِ مدہوشی میں بھی کوئی ایسا فقرہ نہ نکل جائے کہ جو اُن کے "بھارت کے خیر سگالی دوروں" "تقریبِ تقسیم انعام وایوارڈ" وغیرہ میں رکاوٹ کا باعث بن جائے۔

جو اُنھیں "تیسری دُنیا کے مظلوم عوام کی نمائندگی کرنے والے ادیب" کی سطح سے نہ گرا دے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نجی محافل میں برہمنی سامراجیت پر لعن طعن کرنے والے، خود کو دائیں بازو کے خدائی فوجدار گردانے والے بڑے بڑے جغادری ادیب اور شاعر بھی اپنے خیالات کو سپردِ قلم نہیں کرتے کہ انھیں رُجعت پسند نہ کہہ دیا جائے، اُن پر

ملائیت کی چھاپ نہ لگ جائے اُن کو بین الاقوامی معیار سے گرا کر پاکستانی معیار پر نہ پرکھا جائے۔

ع میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند ـــــ

کے مصداق خاکسار کا جہاد جاری ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مَیں دشمن کو گالی دے کر اُس کی زبان میں بات کرنے کا قائل نہیں لیکن اپنی زمین کا رزق کھا کر اُسے حرام کرنے پر بھی سو بار لعنت بھیجتا ہوں۔

اِس کتاب میں بھارت کی آزادی پسند تحریکوں، بھارتی اقلیتوں کی حالت زار اور عالمی امن کے لیے بھارتی سامراج کی خطرناک سازشوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اِس ضمن میں کسی بھی مضمون میں اپنی رائے ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی گئی اور مَیں نے تمام حوالے بھارتی موجودہ اور پراچین لٹریچر سے ہی دیئے ہیں ـــ بھارتی اخبارات کی زبانی بھارت کے حالات آپ تک پہنچاتے ہیں۔

دوستی، محبت، امن، بھائی چارہ مسائل سے بھری اس دُنیا میں کس کو عزیز نہیں؟ ہم بھی بھارت سے دوستی چاہتے ہیں لیکن بھیڑ اور بھیڑیے والی نہیں۔

ہم تو اُس رحمت اللعالمینؐ کی اُمت ہیں جس کا اس عالمِ فانی میں قدم رنجہ فرمانا ہی انسانیت کی فلاح کے لیے تھا۔

ہم سے بڑھ کر امن پسند کون ہو سکتا ہے۔ لیکن، امن کبھی آزادی اور غیرت کی قیمت پر نہیں ملا کرتا ـــ یہی "آن دی ریکارڈ" سچائی ہے۔ کوئی مانے نہ مانے۔

طارق اسمٰعیل ساگر
۸۴۔ راوی روڈ۔ لاہور

تقسیم ہند اور اُس کا پس منظر

تقسیم ہند سے پہلے کانگرس نے تمام اقلیتوں کو اپنی روایتی مکاری سے کام لے کر بے وقوف بنا لیا تھا۔ سکھ اس کا خاص نشانہ بنے۔ لیکن تقسیم ملک کے فوراً ہی بعد انہیں اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ اور قائداعظمؒ کی بات نہ ماننے پر وہ پچھتانے لگے۔ ۱۹۵۱ء ہی میں سنت فتح سکھ نے آزاد سکھستان کا نعرہ بلند کیا۔ جس پر بنیا سرکار حرکت میں آئی اور اس نے خالصہ جی کو تیسرے درجے کے شہری بنا کر رکھ دیا۔ سرکاری نوکریوں سے چھٹی۔ اعلیٰ عہدوں سے برخاستگی، مذہبی رسومات کا مذاق، معاشی اور معاشرتی طور پر پستی کی طرف دھکیلنے کے لیے تمام حربے بروئے کار لائے جانے لگے اور ان کی حیثیت کانگریسی نیتاؤں کے نزدیک محض گھٹیا قسم کے مجرموں کی سی ہو کر رہ گئی۔ ماسٹر تارا سنگھ کی زندگی ہی میں "آزاد خالصتان" کا مطالبہ شدت اختیار کرنے لگا تھا۔ کیونکہ نوجوان سکھوں نے قیادت اب اپنے ہاتھ میں لینے کا عزم کر لیا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں جب لونگووال گروپ نے "سکھوں کے علیحدہ تشخص" کا نعرہ بلند کیا۔ تو بھارتی لوک سبھا کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کے بعد سے اب تک آئے روز کوئی نہ کوئی خبر "خالصتان کے لیے جدوجہد" کی منظرِ عام پر آتی ہی رہتی ہے۔

مشہور کہاوت ہے جو دوسروں کے گھر کو آگ لگاتا ہے اس کی اپنی انگلیاں بھی جلنے سے محفوظ نہیں رہتیں۔ بھارت جس نے کشمیر، گوا اور حیدرآباد پر قبضہ کیا اور جس نے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے ایک سازش کے تحت الگ کرنے میں اپنا تاریخی بھیانک کردار ادا کیا۔ اب خود علیحدگی کی تحریکوں سے دوچار ہے۔ مشرق میں ناگالینڈ، آسام، میزو قبائل اور مغربی بنگال کی علیحدگی کی تحریکیں ہیں، تو جنوب میں ایک "نیا پاکستان" وجود میں لانے کے لیے مسلمان خفیہ طور پر تحریک شروع کر چکے ہیں۔

شمال میں کشمیر اپنی آزادی کے لیے بے تاب ہے تو بھارت کے مغرب میں آزاد خالصتان کی تحریک اپنے تاریخی مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ کانگریس کے لیڈروں خصوصاً اندرا گاندھی نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر کہا تھا:۔

"بنگلہ دیش کے قیام سے مسلمانوں کا دو قومی نظریہ ختم ہو گیا ہے۔"

گرچہ بنگلہ دیش میں احیائے اسلام کی اُٹھنے والی تحریکوں نے ثابت کر دیا تھا کہ دو قومی نظریہ کا بنگلہ دیش کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مشرقی پاکستان کو ایک سازش کے ذریعے الگ کیا گیا۔ مگر اتفاق دیکھیے ابھی اندرا گاندھی کے الفاظ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ خود بھارت کے سب سے زیادہ طاقتور صوبے میں مذہب کی اساس پر ہندوؤں سے سکھوں نے خود کو الگ قوم منوانے کی تحریک شروع کر دی۔

سکھوں نے مذہبی بنیاد پر خود کو ہندوؤں سے ایک الگ قوم قرار دے کر ثابت کر دیا ہے کہ بھارت میں کوئی قوم ہندوؤں سے مل کر نہیں رہ سکتی۔ سکھوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ ان کے آزاد جمہوریہ خالصتان کا قیام ان کے مطالبے کی اساس سراسر مذہبی ہے اور خالصتان کا قیام ان کے وجود کی

بقا اور ان کے قومی تشخص کے لیے ضروری ہے۔

۲۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو دہلی میں سکھوں کے عالمی کنونشن میں سکھوں نے متفقہ طور پر آزاد خالصتان کی جدوجہد کو اپنی مذہبی جنگ قرار دیا۔ یوں دو قومی نظریے کا جادو مسلمان ہی نہیں خود سکھوں کے ذریعے ہندوؤں کے سر چڑھ کر بول رہا ہے اور خالصتان کے قیام کے لیے سکھوں نے اپنی تاریخی جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے اور کل کا یہ خواب آج کی حقیقت بن کر ہندو رہنماؤں کے اعصاب پر مسلط ہو چکا ہے۔

خالصتان کے مطالبے کا پس منظر کیا ہے؟ اور ماضی کے حالات کا جائزہ لے کر مستقبل کے بارے میں کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے؟ میں نے انہی سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

"خالصتان کی تحریک آزادی" شروع سے ہی میرے زیرِ مطالعہ رہی اور مجھے عملی طور پر بھی بھارت کے قیام کے دوران اس تحریک کو اس کے زعماء سمیت قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا۔

ہندو دھرم نے اپنی ہزاروں سالہ سیاسی تربیت کے بعد یہ خوبی ضرور حاصل کر لی ہے کہ اس کا مزاج اپنے پیروکاروں کی فطرت کی طرح غیر انجذابی ہے۔ تنگ نظری، تعصب اور "میں نہ مانوں" نہ صرف ہندو دھرم بلکہ اس کے پیروکاروں کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ برِصغیر میں اسلام کی آمد نے یہاں کے وحشی اور بدبخت عوام کی قسمت بدل ڈالی اور توحید کے پیغام نے ان میں نہ صرف خدا کو ایک ماننے بلکہ اس کی پیدا کردہ مخلوق کو بھی ایک جیسا جاننے کا سچا جذبہ عطا کیا۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ ہزاروں سال ایک خاص قسم کے ماحول میں اسیر رہنے کے بعد ان لوگوں کی جنہوں نے اسلام کی حقانیت پر

لیکن کہا مشرکانہ عادات کبھی نہ جا سکیں۔ ہندو مذہب کے عقائد کی چھاپ ان نومسلموں کے ذہنوں پر اتنی گہری تھی کہ اس کو مٹتے مٹتے بھی ایک عرصہ گزر گیا لیکن اب بھی ہماری اکثر رسومات میں وہی ہندوانہ جھلک دکھائی پڑتی ہے۔

وہ لوگ جو برصغیر میں بندر، گدھے، سانپ اور حشرات الارض کو خدا کا درجہ دینے والی اس بدبخت قوم کو توحید کا سبق سکھانے کے لیے میدانِ عمل میں اُترے ان میں بابا گورونانک کا نام نامی نمایاں نظر آتا ہے۔

گورونانک دیو نے ۱۵ اپریل ۱۴۹۶ء کو مہتہ کالو رام نامی ایک کھتری کے گھر تلونڈی نامی ایک قصبے میں جو آج کل ننکانہ صاحب کہلاتا ہے جنم لیا۔ بابا جی کا مزاج شروع ہی سے مذہبی تھا اور میلان زہد و تقویٰ کی طرف۔ ایک ہندو گھرانے میں جنم لینے کے باعث ان پر ہندو دھرم کی مشرکانہ رسوم اور اس کے ملحدانہ عقائد بخوبی عیاں تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ چھوت چھات اور ذات پات کی آڑ میں دراصل براہمنی ذہنیت صدیوں سے ایک گھناؤنا کھیل رچائے ہوئے ہے جس کا مقصد النسانوں کے ایک مختصر سے گروہ (برہمن) کو خدا کی پیدا کردہ دوسری مخلوق پر ہمیشہ کے لیے غلبہ دلائے رکھنا ہے۔

ان کی بصیرت نے جان لیا تھا کہ اس نظریہ ذات پات کی کامیابی کا راز دراصل یہی ہے کہ ہندوؤں نے دھرم کی آڑ میں ہزاروں جعلی خدا تراش لیے ہیں اور برصغیر کے کروڑوں عوام کو توحید سے دور کر دیا ہے۔ گورونانک دیو نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ جب تک ان ورغلائے گئے انسانوں کو "ایک خدا" (اک اونکار) کا درس نہ دیا گیا یہ اسی طرح جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے اور ہندو دھرم کے پھیلائے ہوئے ذات پات کے طلسم سے کبھی نہیں نکل سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ "گورو گرنتھ صاحب" جو سکھوں کی

مقدس متبرک اور حجت کتاب ہے کا پہلا باب "جپ جی صاحب" کا آغاز "اک اونکار"... ست نام (یعنی خدا ایک ہے۔ اس کا نام پاک ہے) سے ہوتا ہے۔

بابا نانک پر اسلام کی حقانیت کا جادو چل چکا تھا۔ (اس مضمون میں ہم اپنی بات کو ثابت کریں گے) انہوں نے قرآن کا مطالعہ بنظرِ غائر کیا تھا اور قرآن کی آیات کو گورمکھی الفاظ کا لبادہ اوڑھا کر ہندو قوم کے سامنے پیش کیا بابا جی نے تقریباً سبھی مقدس کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

توریت، زبور، انجیل ترے پڑھ سن ڈٹھے وید
رہیا قرآن شریف کلجگ میں پروار

(جنم ساکھی ص۱۴۷)

ترجمہ: میں نے توریت، زبور، انجیل اور وید سب ہی پڑھ اور سُن لیے ہیں لیکن صرف قرآن پاک کو ہی آخری نجات کا بہترین ذریعہ جانا۔

بابا جی جنہیں "سکھ مت" کے بانی کا درجہ حاصل ہے کی تعلیمات اقوال اور اعمال غرض تمام شعبہ ہائے زندگی پر قرآنی تعلیمات کا غلبہ نظر آتا ہے اور اسلام کے بنیادی عقیدے توحید ہی کو انہوں نے "سکھ مت" کی بنیاد بنایا ہے۔

اک اونکار ست نام، کرتا، پرکھ، نربھو، نرویر
اکال مورتی، اجونی، سے بھنگ، گرو پرساد

(جپ جی صاحب)

ترجمہ: اللہ ایک ہے، پاک ہے اس کا نام، وہی سب کچھ کرنے پر

قادر ہے، وہ قدیم ہے، بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے وہی عبادت کے لائق ہے۔

ہندو دھرم کا بنیادی رُکن نظریہ تناسخ (آواگون) ہے۔ جس کے مطابق انسان مرنے کے بعد پھر نیا جنم لے کر اس دنیا میں آجاتا ہے۔

بابا نانک نے اس نظریے کی سرے سے ہی نفی کر دی اور بیانگ دہل اعلان کیا ہے۔

وید بانی جگ ورتا ترے گن کرے وچار
بن ناویں جم ڈنڈ سے مر جمنے وار و وار

(ملہار محلہ)

ترجمہ: وہ معجزہ اور کرامت جو ویدوں اور بانیوں نے دنیا کو دکھائی اور جس پر برہمنوں نے ہمیشہ بڑی سر کھپائی کی ہے وہ (تناسخ) ہے جو سرے سے غلط ہے۔

باباجی نے اپنی مختلف بانیوں میں اس کا ذکر وقتاً فوقتاً (اس مضمون میں آئے گا) اس غلط اور بے بنیاد نظریے سے نفرت کا اظہار کیا ہے لیکن ہندو بڑی مکاری سے سکھوں کے بنیادی عقائد پر ضرب لگائی اور انہیں دوبارہ ہندو رنگ میں رنگنے کے لیے جہاں ان میں اور بہت سی غلط رسوم کو رواج دیا وہاں انہیں زبردستی اور چکر بازی سے نظریہ تناسخ کا قائل بھی بنا لیا۔

بابا نانک نے وید پران کو ہمیشہ ایک فراڈ اور انسانیت کے لیے عذاب قرار دیا ہے۔

وید پڑھے ہر نام نہ بوجھے
ماریا کارن پڑھ پڑھ لُوجھے (مارو محلہ)

ترجمہ: ویدوں کے مطالعے سے کبھی اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا بلکہ وید کی تعلیمات صرف دنیاوی ملعونیوں اور لالچ کی ترغیب دیتی ہیں۔ اسی باب میں ایک جگہ کہتے ہیں۔

سمرت شاستر، پن پاپ وچار تتے سار نہ جانی

(مارو محلہ)

ترجمہ: شاستر تو گناہ ثواب کی تمیز سے بھی عاری ہے۔ وہ موجب راہِ ہدایت کیونکر ہو سکتے ہیں۔

باباجی نے خلوص نیت سے یہ کوشش کی تھی کہ وہ برصغیر میں بسنے والے کروڑوں معصوم اور بے گناہ انسانوں کو جو نسل در نسل ہندو ہونے کا عذاب بھگت رہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے نزدیک لاکر ان کے دلوں میں توحید کی شمع جلائی جائے جس کی روشنی میں انہیں حیات کا مفہوم اور مقصود بآسانی مل سکے۔

اس مقصد کے لیے باباجی نے سب سے پہلے معاشرے میں مروجہ ہندو دھرم کے اصولوں اور نظریات کے خلاف پرچار شروع کیا۔ ہندو دھرم یوں تو انسانیت کی توہین کرنے والے نظریات اور روایات سے بھرا پڑا ہے لیکن اس کے بڑے بڑے اصول جو انسانیت دشمنی کا بدترین اور منہ بولتا ثبوت ہیں وہ یہ ہیں:-

۱۔ مورتی پوجا (۲) سوتک پاتک (۳) جاتی ورن (چھوت چھات) وغیرہ وغیرہ۔ بابا نانک نے ان رسومات اور ان کے پس پردہ کارفرما انسانی توہین

پر زبردست تنقید کی۔ نظریہ توحید پر سب سے زیادہ کاری ضرب ہندو ازم کے پہلے اصول "مورتی پوجا" نے لگائی تھی۔ گورو نانک دیو جی نے مورتی پوجا کا زبردست کھنڈن کیا۔

جو پھاتھر کو کہتے دیوتا
تا نکی برتھا ہوئے سیوا
جو پھاتھر کو پائیں پائیں
تس کی گھال اجائیں جاوے
ٹھاکر ہمارا سدا بولتا
سب جیہاں کو پربھ دان دیتا
نہ پاتر بولے نہ کچھ دے
بھو کٹ کرم نہپل ہے سیو

(بھیروں محلہ گورو گرنتھ صاحب)

ترجمہ: وہ لوگ جو پتھروں کو خدا مانتے ہیں ان کی ریاضت ضائع ہو جاتی ہے۔ جو بے وقوف پتھر پر پانی ڈالتے ہیں۔ ان کی یہ خدمت اور اس راستے میں جو وہ تکلیف اٹھاتے ہیں سب بے کار ہے کیونکہ جس کو وہ خدا مان رہے وہ تو صرف پتھر ہے جو بول بھی نہیں سکتا۔ نہ ہی کسی کا راہنما بن سکتا ہے۔ اسے پانی پلانے کا آخر فائدہ کیا ہے؟ ریت میں گھی ڈالنا بے کار ہے کیا تم سیم تھور والی زمین میں بیج بو کر یہ اُمید کر سکتے ہو کہ اس کھیتی سے خوشحال ہو جاؤ۔

ہندو طوطے بھولے اکھوٹی جائیں
نارد کرے سے پوج کرہی
اندھے گونگے اندھار

پاتھر لے پوجے مگد گنوار
وہ جسے آپ ڈوبے تم کہاں تارن ہار

(وار بڑا گرڑ محلہ)

ترجمہ: ہندو نے صراط مستقیم کو ترک کیا اور شیطان کی راہ اپنائی ہے اور شیطان کے پیچھے لگ کر اندھے اور بہرے ہو کر ضلالت اور گمراہی کے راستے پر چل نکلے ہیں وہ جہالت کے مارے پتھروں کو پوجنے لگے ہیں۔ بھلا جب پتھر خود نہیں تیر سکتا تو وہ تمہیں کیسے پار لگائے گا۔

کسی بھی قوم کو غلام بنانے کے لیے ہوشیار اور مکّار لوگ اس کے بنیادی نظریات پر ضرب لگاتے ہیں تاکہ اس کا تشخص ہی ملیا میٹ کر کے رکھ دیں۔ ہندو دانشوروں نے تقسیم ملک کے ساتھ ہی بڑے منظم طریقے اور وسیع پیمانے پر اس سکیم پر عمل شروع کر دیا۔

یہ ہندو کے لیے کوئی مشکل یا انہونا کام نہیں تھا۔ صدیوں پہلے دنیا کے خبیث ترین سیاست دان چانکیہ (جو خود کو بڑے فخر سے کوٹلیہ یعنی مکار کہلایا کرتا تھا) نے انہیں یہ سارے داؤ بتا دیے تھے۔ ان کے پاس منوجی سمرتی موجود تھی جس کے متعلق نارتھراپ نے کہا ہے۔

میکیاولی کی "پرنس" کی حیثیت منوجی سمرتی کے سامنے بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی چرواہن کسی بھیڑ کے میمنے کو گود میں لے کر کھلا رہی ہو۔

مکاری اور خیانت کا یہ درس ہندو کے کام آیا اور اس نے اپنے کام کی ابتدا اس امر سے کی کہ اپنی لڑکیاں سکھوں میں بیاہنی شروع کر دیں۔ اپنے خاندان کے ایک لڑکے کو کیس (بڑے بڑے بال) رکھوا کر اسے سکھ بنانا شروع کر دیا

تاکہ یہ سکھ ان میں گھل مل جائیں آخر کار ان کا قومی اور مذہبی تشخص ختم ہو کر ر
جائے۔

ماسٹر تارا سنگھ اور سردار بلدیو سنگھ جیسے زرخرید غلام انھیں میسّر تھے
کے منہ میں اقتدار اور دولت کی لگام ڈال کر اُنھوں نے سکھ لیڈروں کی زبا
کا رُخ "ایکتا" کی طرف موڑنا شروع کر دیا۔

بہت جلد وہ دن آگیا جب سکھوں نے ہندوؤں کی طرح ان کے مندرو
جانا شروع کر دیا اور خالص ہندو تہوار مثلاً ہولی، دیوالی اور دسہرہ وغیرہ ہن
سے زیادہ جوش و خروش سے منانے لگے۔

سکھ بنیادی طور پر سادہ لوح تھے۔ وہ اس "ایکتا" کے چکّر میں ایسے پھ
کہ اپنے مذہبی تشخص سے بھی ہاتھ دھونے لگے۔ مشرقی پنجاب میں "وشنو
غالباً سب سے بڑی ہندو پوجا مانی جاتی ہے۔ عام آدمی یہ دیکھ کر حیران ر
گیا کہ اس "پوجا" میں سکھ بھی اتنے ہی زیادہ جوش و خروش سے حصّہ لی
لگے تھے یہ سلسلہ بڑی تنظیم کے ساتھ جاری تھا۔ جب سکھوں کی مشہور مذہبی در
دمدمہ صاحب ٹکسال کے سنت بابا جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے اس خطر
محسوس کیا گو کہ اس سے پہلے لونگووال ایک مضمون اخبارات میں لکھ کر سکھ
کے علیحدہ تشخص کا نعرہ لگا چکا تھا لیکن اس نعرے کو عملی شکل بھنڈرانوالہ ن
دی۔

انسانوں کے ایک خاص گروہ کو دوسرے انسانوں پر مختار اور حاکم بنا
کے لیے ہندو دھرم نے "ورن آشرم" اور "ذات پات" کا گورکھ دھندا پھی
تھا۔ ان دونوں بے ہودہ رسومات کے بغیر ہندو دھرم سماج کو نامکمل خیال ک
ہے۔ برہمن کو "طاقت اور اقتدار" کی علامت بنائے رکھنے کے لیے ورن آشر

دوسرے ہندو دھرم نے انسانی گروہ کو چار حصّوں میں بانٹ دیا۔

۱۔ براہمن جو بلا شرکت غیرے اعلیٰ روایات کا حامل اور "اتھارٹی" ہے۔

۲۔ کھتری۔ جو براہمن کا اقتدار قائم رکھنے کے لیے اس کا وفادار سپاہی بن کر رہے۔

۳۔ ویش۔ جو براہمن کا ملازم بن کر اس کے کھیتوں میں ہل چلائے اور ریاست کے لیے آمدن کے دیگر ذرائع تلاش کرے۔

۴۔ شودر۔ جو بدقسمتی وراثت میں لیے دنیا میں آتا ہے اور جس کا رتبہ کبھی بھی "انسان" کا سا نہیں ہو سکتا۔

ورن آشرم کے لیے ہندو دھرم کی دلیل بھی بے بنیاد اور فرسودہ ہے۔ جس کا تذکرہ غیر ضروری ہوگا گو کہ آریہ سماج کی طرف سے اکثر یہ کہا جاتا رہا ہے کہ انسانوں کے مختلف گروہوں میں تقسیم انسانوں کی رُوحانی علمی اور اخلاقی حالت کی بنا پر کی گئی ہے لیکن پراچین لٹریچر اس بات کی کلی نفی کرتا ہے۔ اور ورن آشرم کی بنیاد کو انسانی جنم سے قائم کرتا ہے۔

گورو نانک جی نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ یہ کیا دھرم ہے جو انسانوں کے ایک بڑے گروہ کو انسانیت کی سطح پر رکھنے ہی کا روادار نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

پھکڑ جاتی پھکڑ ناؤ
آپو جس کو بھلا کہائے
سہنباں جیاں اکا چھاؤ
نانک تاں پر جاپے جاپت لیکھے پائے

(وار آسا شلوک۔ محلہ ۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں ذات پات اور ورن کا کوئی سوال نہیں۔
وہاں تو مقبولیت کا معیار خدا وند تعالیٰ کے سامنے عزیز ٹھہرنا ہے۔

گورونانک نے صدق دل سے یہی چاہا تھا کہ وہ انسانوں کی اس تذلیل اور تضحیک کو ختم کریں۔ اس کے لیے انھوں نے اسلامی تعلیمات کا سہارا لیا اور اپنا گھر چھوڑ کر سفر پہ روانہ ہوگئے۔

وید پڑھت برہما موئے چاروں وید کہانی

ترجمہ: وید پڑھتے ہوئے برہما مر گیا لیکن حیات جاودانی اس کو
نصیب نہیں ہوسکی۔

اس کے بعد سے باباجی نے اسلامی تعلیمات کا سہارا لیا اور مختلف اولیاء کی صحبت میں بیٹھے۔ انہوں نے اکثر بزرگان دین کے مزاروں پر چلے کاٹے۔ بابا جی کے کچھ چلے خاصی شہرت بھی رکھتے ہیں جن میں قابل ذکر شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ان کا چالیس روز کا چلّہ ہے۔

مزار کے جنوب میں بمشکل پانچ چھ قدم کے فاصلے پر آج بھی وہ محراب دار مکان موجود ہے جس کے اوپر "یا اللہ" کندہ ہے اور اس کے نیچے "پنجہ" کا نشان بنا ہوا ہے اور یہی ہے وہ مکان جس میں آپ نے ۴۰ دن کا چلّہ کاٹا۔ اس مکان کو "چلّہ نانک" کہا جاتا ہے اور تقسیم ملک سے پہلے یہاں ہندو اور سکھ ہر دو اقوام کے لوگ بڑی عقیدت اور احترام سے آیا کرتے تھے۔

سرسہ کے مقام پر شاہ عبدالشکورؒ کی خانقاہ مرجع خلائق ہے۔ یہاں بھی بابا نانک نے مسجد کے نزدیک ایک مکان میں بیٹھ کر چلّہ کاٹا اور نوافل نماز پنجگانہ ادا کرتے رہے۔ اب اس خانقاہ کا نام ہی "چلّہ بابا نانک" مشہور ہوچکا ہے اور دور دور سے لوگ اس کے درشن کو آتے ہیں۔

اسی طرح بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزاروں پہ بھی باباجی کے چلّوں نے بڑی شہرت پائی۔ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ ہی بابا گورونانک نے کہا تھا:۔

مسلمان کہاون مشکل جے ہوتیو مسلمان کہاوے
اول اول دین کر مٹھا۔ مشکل ماناں مال مساوے
ہوئے مسلم دین مہانے مرن جیون کا بھرم چکاوے
رب کی رضا منے سر اوپر کرتا منے آپ گواوے

(گورو خالصہ جنم ساکھی ص ۱۴۷)

ترجمہ: میرے خدایا مسلمان ہونا کوئی آسان کام نہیں اس کے لیے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ سچے دل سے اگر کسی نے دین اسلام کی راہ اپنائی تو اس کی گویا تمام مشکلات آسان ہوگئیں۔ دوزخ کی ہوا گویا اس کو چھو کر بھی نہیں گزر سکتی۔ لیکن ضروری ہے کہ پھر مسلمان خود کو رضا و رغبت الٰہی کا قائل بنائے خواہ کیسی ہی کٹھن منزل درپیش ہو۔

اسلام سے بابا نانک جی کی محبت کا سب سے بڑا ثبوت ان کا وہ چولا ہے جو آج بھی ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کے ایک قصبے ڈیرہ بابا نانک میں ایک گوردوارے میں محفوظ ہے۔ یہ چولا کابلی مل کی اولاد کے پاس جو آپ کی نسل میں سے ہے محفوظ ہے اور ہر سال یہاں ایک میلہ لگتا ہے۔

اس "چولے" پر تقریباً تین سو رومال لپٹے ہوئے ہیں۔ جن پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ جن میں "کلمہ طیبہ" سورۃ اخلاص، سورۃ فاتحہ، اسمائے رب تعالیٰ بھی درج ہیں۔ اس چولے پر بابا نانک کے اپنے ہاتھ سے لکھی بسم اللہ موجود

ہے۔ایک کونے میں بہت نمایاں قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہے۔

ترجمہ: بے شک اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔

ایک رومال پر لکھا ہے۔قرآن حکیم الہامی کتاب ہے اسے ناپاک ہاتھ نہ لگائیں۔ دین اسلام سے بابا نانک کی محبت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ تمام سکھ وِدوان اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ باباجی کی تعلیمات پر اسلام کی گہری چھاپ موجود ہے۔

بنیادی طور پر سکھ چونکہ سادہ لوح تھے اور قبائلی طرزِ زندگی نے ان میں خاصی دلیری بھی پیدا کر دی تھی اس لیے ہندو کو یہ خطرہ تھا کہ یہ کبھی نہ کبھی مسلمانوں کے بعد ان کے لیے دردِ سر بن جائیں گے۔اس لیے اُنھوں نے اس قوم کو اپنے جال میں پھنسانا شروع کر دیا۔

اس کا آغاز مغلیہ دور میں ہوا جب مکار ہندو مہاراجوں نے ایک طرف تو مغل حکمرانوں کے کان سکھوں کے خلاف بھرنے شروع کر دیے اور دوسری طرف مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف اکسانے لگے۔اس دوران ہندو نے اس بات کا بطورِ خاص اہتمام کیا کہ کسی بھی طرح براہِ راست مسلمانوں اور سکھوں میں کوئی بات چیت نہ ہونے پائے۔اس طرح یہ خطرہ ان کے سر پر منڈلانے لگتا کہ کسی بھی مرحلے پر سکھوں کو یہ احساس ہو جائے گا کہ ان کے ساتھ دھوکہ کیا جا رہا ہے براہِ راست ڈائیلاگ نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان غلط فہمیاں بڑھتی چلی گئیں۔اس سلسلے کو برقرار رکھنے کے لیے ہندو نے خود ہی چند ایسے جھوٹ بھی گھڑ لیے جو سکھوں کو اشتعال دلانے کے لیے کافی تھے۔

تقسیم کے بعد

گورونانک دیوجی نے اپنے ماننے والوں کو بہت پہلے ہی تنبیہہ کر دی تھی کہ:

ع نال کراڑاں دوستی کرڑی کرڑے ہائے

(شلوک واراں ودھیک محلہ اص ۱۴۱۲)

یعنی ہندو کی دوستی بُرا وقت دکھائے گی، کیونکہ وہ خود جگت گیانی تھے اور ہندو گھرانے میں جنم لینے کی وجہ سے "ہندو ذہنیت" سے بخوبی آگاہ تھے۔ اُنھوں نے خلوصِ نیت سے یہ کوشش کی تھی کہ کسی طرح یہ قوم راہِ راست پہ آ جائے۔اس وقت تک سکھ قوم کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا۔

گورو گوبند سنگھ نے بھی اس تلخ حقیقت کو محسوس کر لیا تھا کہ ہندو کی دوستی کا انجام بدتر ہی ہو سکتا ہے اس سے اصلاح کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ انھوں نے بھی اپنے ماننے والوں کو یہی پیغام دیا تھا:

ایسے عمل ہندو کے دیکھے مت کر ہندو نام کہائے

(جنم ساکھی، اُردو ایڈیشن ص ۲۱۵)

سکھ اتہاس سے ایسی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جب ہندوؤں کی مکاری نے ان کے گوروؤں کو بُرے دن دکھائے اور مسلمانوں اور سکھوں کے بیچ نفاق کا بیج بو کر انھیں آپس میں لڑاتے رہے۔گورو گوبند سنگھ کی "اکال

چلنا" کے بعد سکھوں میں رنجیت سنگھ کے دور تک کوئی ایسی قد آور شخصیت نظر نہیں آتی جو ایک منتشر قوم کو ایک جھنڈے تلے متحد رکھتی۔ رنجیت سنگھ میں بھی قوتِ فیصلہ کی کمی تھی اور وہ زیادہ تر اپنے ہندو مشیروں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا جو بڑی چالاکی سے ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق سکھوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا بیج بو رہے تھے۔

تین بڑے الزام

سکھوں کو مسلمانوں سے متنفر کرنے کے لیے ہندوؤں نے تین بڑے الزام گھڑ لیے تھے جنہیں وہ موقع محل کے مطابق سکھوں کی روایتی بے وقوفی اور جہالت سے فائدہ اٹھا کر بروئے کار لاتے رہے یہ تین بڑے الزام تھے:

۱- گورو ارجن دیو کو شہنشاہ جہانگیر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کے جرم میں قتل کروا دیا۔

۲- اورنگ زیب عالمگیرؒ نے گورو تیغ بہادر کو دہلی بلا کر تین شرائط پیش کیں "کوئی کرامت دکھائیں یا اسلام قبول کر لیں ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

گورو جی نے کرامت دکھانے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اورنگ زیبؒ کے حکم پر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

۳- آخری گورو گوبند سنگھ جی کے دونوں صاحبزادوں کو صوبہ سرہند کے وزیر خان کے حکم پر زندہ دیواروں میں چنوا دیا گیا۔

بنیادی طور پر یہی وہ تینوں الزام ہیں جن پر مسلم سکھ دشمنی کی بنیادیں مہاسبھائی ذہنیت نے استوار کی ہیں اور یہ پروپیگنڈہ اتنی شدت اور منظم طریقے سے کیا گیا کہ سکھوں کو مسلمانوں کے خون کا پیاسا بنا کر رکھ دیا۔

جہاں تک پہلے الزام کا یعنی گورو ارجن دیو جی کے قتل کا تعلق ہے تو تمام سکھ ودوانوں نے اس حقیقت کو سرے سے جھٹلایا ہے۔ ڈاکٹر مہندر کور گل لکھتی ہیں:

"یہاں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سروپ داس سنتو سنگھ اور بھگت سنگھ تینوں اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جہانگیر گورو جی کا بہت احترام کرتا تھا اور اس کی اجازت کے بغیر چندو مل نے گورو جی کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر ڈالا تھا۔"

(گورو ارجن دیو جی - جیون کے بانی ص ۱۳۱)

ڈاکٹر مہندر کور گل سکھ اتہاس لکھنے والوں میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ انھوں نے یہ بات ثابت کی ہے کہ چندو مل کی ذاتی شرارت گورو جی کے قتل کا سبب بنی اور اس تاریخی حقیقت کو بطورِ ثبوت پیش کرتی ہیں کہ اس کے بعد جہانگیر نے چندو مل کو گورو جی کے بیٹے کو سونپ دیا تھا اور اس سے کہا:

"یہ آپ کے والد کا قاتل ہے جو سلوک چاہیں کریں۔"

اس الزام کی تردید میں اور بھی بہت سی شہادتیں سکھ اتہاس سے پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن ڈاکٹر مہندر کور گل جیسی مستند اور ثقہ تاریخ نویس کی شہادت ہی کافی ہے۔

دوسرا الزام

دوسرے الزام یعنی گورو تیغ بہادر کے قتل کا بھانڈا ابھی اب پھوٹ چکا ہے اور تمام سکھ ودوان یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ یہ بھی "ہندو تاریخ سازوں" کی من گھڑت بات ہے۔ مشہور مؤرخ ڈاکٹر گنڈا سنگھ لکھتے ہیں:

"جس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ تاریخی روایات کے مطابق اورنگ زیبؒ ان دنوں دہلی میں تھا ہی نہیں وہ حسن ابدال میں مقیم تھا۔ سری گورو

تیغ بہادر جی کی شہیدی کے متعلق بھی ہندو مصنفین نے ایسی باتیں گھڑی ہیں کہ ان کی شہیدی کو خودکشی بنا کر رکھ دیا ہے۔"

(تیغ بہادر کے چلت ص۳۷)

پرنسپل ست بیر سنگھ رقمطراز ہیں:

"اورنگ زیبؒ کو گورو گوبند سنگھ جی نے "فتح نامہ" اور بعد میں ظفر نامہ لکھا اور اس میں گورو تیغ بہادر جی کی شہادت کو اورنگ زیبؒ کے سر تھوپنے کا ذکر کہیں نہیں ملتا، کیونکہ گورو گوبند سنگھ جی کو علم تھا کہ گورو تیغ بہادر کی شہادت خود چاہی (SELF - IMPASE) تھی، اورنگزیب نے انھیں گرفتار نہیں کیا تھا۔"

واقعہ یہ ہے کہ گورو تیغ بہادر نے خود اپنے ایک پیروکار کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کی گردن پر تلوار کا بھرپور وار کرے۔ پہلے تو اس نے انکار کیا۔ لیکن گورو جی کے حکم پر اسے با دلِ نخواستہ یہ کرنا پڑا۔ اس میں گورو تیغ بہادر کی کیا مصلحت تھی یہ سکھ دھرم کی تعلیمات کا حصّہ ہے۔ جس کا تعلق ہمارے مضمون سے نہیں۔

تیسرا الزام

تیسرا الزام سب سے زیادہ سنگین نوعیت کا ہے اور ماسٹر تارا سنگھ نے قائداعظمؒ سے ملاقات سے انکار کرتے ہوئے یہی الزام دہرایا تھا جو اصل میں کانگرس نے ان کے منہ میں ڈالا تھا اس الزام کی تردید کرتے ہوئے پروفیسر ست بیر سنگھ لکھتے ہیں:

"کانگریسی ہندو لیڈروں نے اس وقت سچے جھوٹے قصّے سنا کر اور بڑے بڑے وعدے کر کے اصل میں اپنا الو سیدھا کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ گنگو برہمن نے چھوٹے صاحبزادے اور ماتا گوجری کو گرفتار

کروایا۔ دیوان سچا نند نے صاحبزادوں کو دیوار میں چُن دینے کا مشورہ دیا اور چغل خوری کی حالانکہ مالیر کوٹلہ کے پٹھان نواب نے صاحبزادوں سے سچی ہمدردی ظاہر کی اور ان کو قتل کیے جانے کے خلاف سرہند کے صوبے دار وزیر خان کی کچہری میں آواز اٹھائی۔"

(اکالی پتریکا ۱۵/ جنوری ۱۹۶۵ء)

ان تینوں الزامات میں ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ یہ کام بقول سکھوں کے مسلمانوں نے حکم دے کر ہندوؤں سے کروائے تھے۔ اگر سکھ روایات ہی کو مدّنظر رکھا جائے تو یہ الزامات براہِ راست مسلمانوں پر نہیں لگتے، بلکہ یہ تینوں کارنامے ہندوؤں نے انجام دیے اور یہ کہ کسی مسلمان سپہ سالار یا صوبے دار نے کسی کو قتل نہیں کیا —— اس تاریخی حقیقت سے انکار کرنا سوائے جہالت کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہندو اگر سکھوں کے اتنے ہمدرد ہی تھے تو انھوں نے یہ فعل کیوں سرانجام دیے؟ جب کہ خود ہندو تاریخ نویس اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مسلمان علماء اور سپہ سالاروں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی اور صریحاً ظلم قرار دیا تھا۔

سکھوں کا پہلا دشمن ماسٹر تارا سنگھ

ماسٹر تارا سنگھ کے متعلق آج سے پندرہ بیس سال پہلے تک تو سکھوں میں متضاد رائے پائی جاتی تھی۔ کچھ لوگوں کے نزدیک وہ محب قوم لیڈر تھا۔ کچھ کے نزدیک "ملّت فروش پنتھ دشمن" لیکن آج پڑھا لکھا سکھ طبقہ اس بات پر متفق ہے کہ ماسٹر تارا سنگھ یا تو انتہا درجے کا بے وقوف تھا یا بدترین راشی۔

سردار پٹیل کے ذریعے اس کی لگامیں کانگریس نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھی تھیں اور وہ جس طرف چاہتے اس کا رُخ موڑ دیتے تھے۔ مسلم دشمنی کے

لیے ان کے پاس کہنے کو صرف یہی بات رہ گئی تھی کہ مسلمانوں نے ہمارے ساتھ بڑے ظلم کیے ہیں۔ ہماری ان سے کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ ہندوؤں کے بارے میں وہ یہ سب کچھ بھلا دیتے تھے۔

سردار کپور سنگھ جو ان دنوں آئی۔ سی۔ ایس اور سکھوں کے محب قوم لیڈر تھے۔ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے لیڈروں کے طرز عمل پر کڑھتے رہتے اور جن کی آخری دم تک یہی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح وہ مسلم لیگ اور اکالی دل کا الحاق کروا کر سکھوں کو ہندوؤں کے شکنجے سے بچا لیں۔ انھوں نے کسی نہ کسی طرح بھاگ دوڑ کر کے قائد اعظم سے ماسٹر تارا سنگھ کی ملاقات کا بندوبست کروا دیا۔ لکھتے ہیں:

"میں خود تو آگے نہ ہوا۔ سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ذریعے ماسٹر تارا سنگھ کو راضی کر لیا کہ وہ جناح صاحب سے ملاقات کریں۔ ایک کوٹھی میں دن کے گیارہ بجے کا وقت طے پا گیا۔ ماسٹر جی کو دس بجے ہم لوگ وہاں لے آئے اور سب کچھ سمجھا دیا۔ وہ رضامند ہو گئے۔ بدقسمتی سے کانگرس کو اس کا علم ہو گیا۔ پنّا لال ماسٹر جی سے کوٹھی میں ایک "ضروری بات" کا بہانہ کر کے ملا اور اس کے جانے کے قریباً پندرہ بیس منٹ بعد ہی ماسٹر جی جناح صاحب کی آمد سے قریباً پانچ منٹ پہلے کوٹھی کے پچھلے دروازے سے بغیر اطلاع دیئے کھسک گئے۔ چند روز بعد میں ان سے ملا اور اس کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے "مسلمانوں سے ہماری صلح ممکن نہیں، انھوں نے صاحبزادے شہید کر دیے تھے۔ میں سر پیٹ کر رہ گیا۔"

(ساچی ساکھی ایڈیشن اوّل ص ۹۸)

سردار صاحب کہتے ہیں کہ اس جواب کے پیچھے سردار پٹیل کا لاکھوں روپیہ بول رہا تھا۔ ۱۷۰۵ء میں ہونے والے واقعے کی سزا ماسٹر تارا سنگھ ڈھائی سو سال بعد مسلمانوں کو دینا چاہتے تھے حالانکہ سکھ تعلیمات کی رُو سے یہ بات سراسر ناجائز تھی کہ ایک ہاتھ کی سزا دوسرے ہاتھ کو دی جائے۔

اہ کر کرے سو اہ کر پائے   کوئی نہ پکڑیے کسے تھائے

(آسا دی وار محلہ ۵)

سردار کپور سنگھ نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اصل میں بات یہ تھی کہ اگر ماسٹر تارا سنگھ جی اس بات کے لیے آمادہ ہو جاتے تو انھیں کانگرس کا وہ لاکھوں کروڑوں روپیہ واپس لوٹانا پڑتا تھا جو انھوں نے مسلمانوں کی قتل و غارت گری کے لیے کانگرس سے وصول کیا تھا۔

سکھوں کا محسن

سردار کپور سنگھ لکھتے ہیں:۔

"مئی ۱۹۴۷ء میں مسٹر جناح نے دو مرتبہ کوشش کی کہ مسٹر تارا سنگھ اور مہاراجہ پٹیالہ سر یادو اندر سنگھ سے مل کر مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان مستقل مفاہمت کا معاہدہ طے کریں۔ مئی ۱۹۴۷ء میں جناح صاحب لاہور تشریف لائے تو وہ ماسٹر تارا سنگھ سے مل کر مندرجہ ذیل تجاویز منظور کروانا چاہتے تھے۔"

۱۔ پنجاب تقسیم نہ ہو، بلکہ پاکستان کا حصّہ بنا رہے۔ مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ راوی سے جمنا تک کا علاقہ سکھوں کی "ماتر بھومی" ہے سکھوں کو چاہیے کہ وہ پاکستان میں "انتر جاتی" (SUB NATION) رہیں، انہیں مکمل

اندرونی آزادی (INTERNAL AUTONOMY) کے اختیارات حاصل ہوں گے۔

۲- پنجاب میں ۳۳ فیصد سیٹیں سکھوں کے لیے مختص ہوں گی اور پورے پاکستان میں ۲۰ فیصد۔

۳- پنجاب کا وزیر اعلیٰ یا گورنر کوئی ایک سکھ ہو گا۔

۴- پاکستانی فوج میں ۱۴ فیصد سکھ بھرتی کیے جائیں گے اور ہائی کمان میں بھی ان کا تناسب یہی ہو گا۔

۵- پاکستان میں کوئی قانون جسے سکھ اکثریت نامنظور کر دے اس وقت تک لاگو نہیں ہو سکے گا جب تک ملک کی سب سے بڑی عدالت اس کے حق میں فیصلہ نہ دے۔

(ساچی ساکھی ایڈیشن دوم صہ ۱۲۱، ۱۲۲)

یہ شرائط نقل کرنے کے بعد سردار کپور سنگھ کہتے ہیں:-

"میں نے جناح (قائداعظم) سے پوچھا، آپ سکھوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں اتنی دلچسپی کیوں لیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا:-

"اگر سکھ مسلمانوں کے ساتھ پنجاب میں مل کر رہنا تسلیم کر لیں تو نہ پنجاب تقسیم ہو گا نہ ہی بنگال۔ ہندؤں کو تو بھارت مل جائے گا لیکن وہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے لیے صرف یہی بہانے تراش رہے ہیں۔ آپ کی شمولیت سے بنگال کا کیس مضبوط ہو جائے گا اور وہ کبھی انگریز کو اس کی تقسیم پر راضی نہ کر سکیں گے۔ صوبائی تقسیم سکھوں کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کا کوئی غیر دانش مندانہ قدم آپ کو آنے والی نسلوں کے

سامنے شرمندہ کرے۔" (ساچی ساکھی صہ ۱۲۲)

خالصتان بن جائے گا

سردار کپور سنگھ کہتے ہیں میں نے قائداعظمؒ سے کہا کہ سکھ مسلم اکثریت سے خوف زدہ ہیں کیونکہ سکھوں کا سابقہ تجربہ اس سلسلے میں کچھ اچھا نہیں رہا۔

قائداعظمؒ نے مسکرا کر فرمایا:

"خوف زدہ تو مسلمانوں کو ہونا چاہیے کہ سکھوں کے اتحاد سے جو پاکستان بنے گا اس کا پہلا قانون یہ ہو گا کہ سکھوں کے گوردوارے جان و مال اور عزت آبرو کو مکمل تحفظ حاصل ہو۔ قیام پاکستان کے چھ ماہ بعد ہی یہاں کے ہندو خود کو سکھ لکھوا دیں گے جس سے پاکستان میں سکھ اکثریت بن جائیں گے اور مسلمان اقلیت۔ اس طرح خالصتان کے قیام کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

(ساچی ساکھی صہ ۱۲۳)

سردار کپور سنگھ کہتے ہیں کہ میں قائداعظم کی دانائی اور فہم و فراست پر دنگ رہ گیا۔ تاریخی حقائق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ وہ اپنی حقیقت منوا کر رہتے ہیں ایک مرتبہ قائداعظمؒ نے سکھوں سے فرمایا:

"ہمارے ارادے سکھ دوستوں کے متعلق ہمیشہ نیک رہے ہیں میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنے دلوں کو ٹٹولیے، آیئے اور ہم سے کھل کر بات کیجیے، مجھے پورا یقین ہے ہم کسی تصفیہ پر پہنچ جائیں گے۔ کانگریس آپ کو استعمال کر رہی ہے۔ گاندھی جب بھی مجھ سے صلح صفائی کی بات کرنے آتا ہے اپنے دل میں

چھپے کھوٹ کو کبھی نہیں چھپا سکتا ۔ وہ نہ آپ کا دوست ہے نہ ہمارا۔ آنے والا وقت میرے اس دعوے کی تصدیق کر دے گا ۔"

تارا سنگھ پھر "چکر" دے گیا

سکھوں کے دوسرے درجے کے قریباً تمام لیڈر مسلم لیگ سے اتحاد کے خواہاں تھے انھوں نے اس تاریخی حقیقت کا احساس کر لیا تھا کہ آنے والا دَور سکھوں کے لیے کتنا بدترین اور ظالمانہ ہوگا۔ گیانی ہری سنگھ جی نے ایک انٹرویو میں بتایا:

"میں بابا جیون سنگھ مذہبی دل کا پردھان تھا۔ دل نے ریزولیوشن پاس کر کے مجھے جناح صاحب سے بات چیت کا اختیار دیا۔ میں نے جناح صاحب سے ملاقات کی اور کوشش کی کہ پنجاب کا بٹوارہ رُک جائے۔ سکھوں اور مسلمانوں کا سمجھوتہ ہو جائے۔ جناح صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ وہ سکھوں کو پاکستان کے اندر ایک خود مختار سٹیٹ دینے کے لیے تیار ہیں۔ جہاں انھیں مکمل سیاسی اور سماجی آزادی میسر ہوگی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ماسٹر تارا سنگھ کو مناؤ۔ چنانچہ میں سیدھا تیس سکھوں کے ایک وفد کے ساتھ ماسٹر تارا سنگھ کے مکان سکھ منتری کالج امرتسر پہ اُن سے ملا۔ ہمارے لاکھ سر پٹخنے کے باوجود ماسٹر جی جناح صاحب سے ملاقات پر تیار نہ ہوئے۔"

(روزنامہ جتھیدار جالندھر ۱۹؍اگست ۶۷ء)

جتھے دار ہری سنگھ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے انٹرویو

میں کہا تھا:

"اگر ماسٹر تارا سنگھ ہماری بات پر کان دھرتا تو ہمیں آج دوسرے درجے کے شہری بن کر بھارت میں نہ رہنا پڑتا۔ اور ہندوستان کی قسمت اور شکل مختلف ہوتی۔"

ایک سکھ ودوان ماسٹر جی کی ہٹ دھرمی اور کوڑھ مغزی کا رونا روتے ہوئے کہتا ہے:

"ماسٹر تارا سنگھ کے سر پر صرف لیڈری کا بھوت سوار تھا اس نے قوم کے لیے کیا سوچا؟ ہندو اپنا اُلو سیدھا کر کے الگ ہو گئے مسلمانوں کو پاکستان مل گیا۔ سکھ لیڈر نے ۲۷ سالہ لیڈری میں اپنی قوم کو گڑھے سے نکال کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ جہاں سے سکھ قوم کبھی نہیں نکل سکتی۔ کیونکہ ہم مسلمانوں سے تو لڑ سکتے ہیں ہندوؤں سے نہیں۔"

(ساچی کھوج ص ۶۱،۶۵ حصہ دوم)

گھونسے پڑ رہے ہیں

ماسٹر تارا سنگھ کو قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی اپنی تاریخی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اب پانی سر سے گزر چکا تھا، وہ کہتے ہیں:-

"میری حالت تو اب ایسی ہے جیسے کسی کے سر پر چاروں اطراف سے گھونسے پڑ رہے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوگا۔ کوئی ٹھکانہ نہیں، کوئی سہارا نہیں۔ نڈھال ہو کر چاروں شانے چت گر پڑا ہوں۔ پہلے سکھ حکومت ختم ہوئی تھی، اب سکھ وقار ختم ہو رہا ہے انگریز

ہمیں استعمال کرنا چاہتا تھا ختم کرنے کا خواہاں نہیں تھا۔ یہ پنجابی ہندو، ہمیں ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

(سنت سپاہی امرتسر جون ۱۹۴۸ء)

اس بات میں کچھ شک نہیں کہ پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کا آغاز ماسٹر تارا سنگھ نے کیا تھا۔ پنجاب کے ہندو لیڈروں نے اپنی دولت کے انبار ان کے سامنے لگا دیے تھے "پریت لڑی" کے ایڈیٹر اور مشہور لکھاری سردار گوربخش سنگھ کہتے ہیں:۔

"۱۹۴۰ء میں ماسٹر تارا سنگھ نے جو کچھ لاہور میں کیا اس سے سکھوں کو تو کوئی فائدہ نہ ہوا، البتہ کانگریس نے مطلب برآری کے لیے راتوں رات انھیں اپنا لیڈر منتخب کر لیا۔ فسادات میں اُنھوں نے جس طرح ہندوؤں کو تقویت پہنچائی اس پر کانگریس کو فخر رہے گا۔"

(پریت لڑی ۔ اکتوبر ۵۶ء)

اس سلسلے میں سردار کپور سنگھ اپنی کتاب میں ایک حوالہ نقل کرتے ہیں:۔

"اگست ۱۹۴۷ء کے دوسرے ہفتے جب مسلمان ماسٹر تارا سنگھ کی بھڑکائی ہوئی آگ کا نشانہ بن رہے تھے اور سکھوں کو بھی مسلمانوں کے ہاتھوں نقصان اُٹھانا پڑ رہا تھا۔ ان دنوں بھارت کے فرنگی گورنر جنرل نے سردار پٹیل سے دریافت کیا۔ آپ نے سکھوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔ پٹیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بے وقوف خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار چکے ہیں۔ موقعہ تو ضائع ہو چکا۔ (THE SIKHS HAVE MISSED THE BUS -)

سردار پٹیل نے یہ فقرہ شاید ہنستے ہوئے کہا ہو گا۔ لیکن ہندو لیڈروں نے

سنجیدگی سے بھی کبھی سکھوں کے متعلق اس سے زیادہ بہتر رائے نہیں دی۔ وہ سکھوں کو اپنی دانست میں بے وقوف قوم جان کر ہی مقصد برآری کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔

سردار کپور سنگھ کہتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۴۶ء والا راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ جرنیل تیجا سنگھ اور جرنیل لال سنگھ، ۱۹۴۷ء میں دوبارہ مہاراجہ یادوندر سنگھ، ماسٹر تارا سنگھ اور سردار بلدیو سنگھ کی شکل میں سکھوں کو ادنیٰ اور غلام بنانے کے لیے آ گئے تھے۔"

(ساچی ساکھی ایڈیشن دوم صفحہ ۱۳۲)

رشوت خور قوم فروش

مشہور محقق ڈاکٹر اندر سنگھ کہتے ہیں:

"جب پاکستان بن رہا تھا تو مشرقی پنجاب میں سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے کانگریس کی ہائی کمان کے ایک بڑے لیڈر نے ماسٹر تارا سنگھ کو تین لاکھ روپیہ بھیجا۔ اور ایک مرہٹہ فوجی افسر کے ذریعے بموں سے بھری ہوئی ایک لاری۔ یہ بم کافی دنوں تک تارا سنگھ کے گھر کے نزدیک ایک خفیہ ٹھکانے پر محفوظ پڑے رہے۔ بقول ماسٹر جی کے یہ تین لاکھ روپیہ انھوں نے مشرقی پنجاب میں مہاجرین کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا تھا۔ حالانکہ بہت سے واقفانِ حال جانتے ہیں کہ اس کا استعمال کیا ہوا تھا۔"

(روزنامہ جتھیدار، جالندھر ۲۶ نومبر ۶۶ء)

سردار نریندر سنگھ بھلڑ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"سردار پٹیل نے ماسٹر تارا سنگھ پردھان اکالی دل کو بذریعہ چیک روپے بھیجے تھے تاکہ ان سے ہتھیار خرید کر مشرقی پنجاب میں سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام کروایا جائے۔ اس طرح مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے اُن کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا جائے، کیونکہ ہندو نہیں چاہتے تھے کہ ہجرت کر کے پاکستان جانے والے مسلمان کوئی بھی کارآمد چیز پاکستان لے جاسکیں۔"

(سکھوں کے لیے "ہندو اچھے یا مسلمان" ص ۱۰)

سکھوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ ان کا لیڈر اگر مسلمانوں کا دشمن تھا تو اُن سے بھی مخلص نہیں تھا۔ بے تحاشا بڑھتی ہوئی ہوس اور عہدے کے لالچ نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ اور ماسٹر تارا سنگھ نے محض اپنی لیڈری چمکانے کے لیے تاریخ انسانیت کے بدترین فعل کا ارتکاب نہ صرف خود کیا بلکہ اپنے سادہ لوح پیروکاروں کے ہاتھ بھی بے گناہ مسلمانوں کے خون میں رنگے۔

قائداعظم کی سیاسی بصیرت نے جس بات کی نشاندہی کی تھی وہ وقوع پذیر ہو کر رہی۔ آج جب خالصہ جی کو ہوش آئی ہے تو وہ لیڈر حضرات بھی ماسٹر تارا سنگھ کی بھیانک غلطیوں کا رونا رو رہے ہیں جو اُن کے ہم پیالہ و ہم نوالہ تھے اور اگر وہ چاہتے تو ماسٹر تارا سنگھ کو راہِ راست پر لا سکتے تھے۔

وزیر دفاع پاگل ہوگیا

سکھوں کی دوسری بڑی اُمید بلدیو سنگھ سے تھی۔ کیونکہ اس کی بے تحاشا دولت اور "ٹاٹا" فیکٹریاں پنتھ کے لیے بہت بڑا سہارا بن سکتی تھیں، لیکن خالصتان

کے قیام یا اکالی دل کا مسلم لیگ سے سمجھوتہ ہو جانے کا مطلب تھا۔ "ٹاٹا" فیکٹریوں سے چھٹی، کیونکہ وہ علاقہ بھارت میں رہ جاتا تھا۔

سردار پٹیل نے اپنے گورو گھنٹال کے حکم پر سردار بلدیو سنگھ کی اس کمزور رگ کو دبا دیا۔ ایک طرف تو اسے سکھوں کی ممکنہ مسلم حمایت سے پیدا ہونے والے حالات سے ڈرایا دھمکایا۔ دوسری طرف اسے بھارت کی مرکزی وزارت میں اچھے خاصے عہدے کا لالچ دے کر ساتھ ملا لیا۔ سردار بلدیو بھی مسلم دشمنی میں ماسٹر تارا سنگھ سے دو ہاتھ آگے ہی رہا۔ اس نے ہر اس منصوبے کی حمایت کی جس سے مسلمانوں کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچ سکتا تھا۔

سردار بلدیو سنگھ کے لاکھوں روپے کے چندے پر (جو حقیقتاً اُسے کانگریس کی طرف سے فراہم کیا جاتا تھا۔ لیکن اکالیوں کے علم میں یہی بات تھی کہ بلدیو سنگھ اپنی جیب سے "پنتھ سیوا" کر رہا ہے)، اکالی دل کی سیاست چل رہی تھی۔ ماسٹر تارا سنگھ ہی نہیں بلکہ سکھوں کی قریباً ساری اے کلاس لیڈرشپ اس کی تنخواہ دار ملازم تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی۔

قیام بھارت کے بعد سردار بلدیو سنگھ کو اشک شوئی کے لیے کانگریس نے وزیر دفاع بنا دیا۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد ہی اسے ذلیل و خوار کر کے نکال دیا۔ سردار بلدیو سنگھ سے اس قدر غیر متوقع اور گھٹیا سلوک ہوا کہ وہ آخری عمر میں پاگل ہوگیا تھا اور اس کے نزدیکی حلقے اس بات کی گواہی دیں گے کہ سردار صاحب بہکی بہکی باتیں کرنے لگے تھے اور اکثر اپنا سر منہ خود ہی نوچ لیا کرتے تھے۔

سردار کپور سنگھ لکھتے ہیں:

"اگرچہ اکالی دل کا اصل نشانہ سردار بلدیو سنگھ کے ٹاٹا نگر کے کارخانوں

کو بچانا اور انھیں وزیرِ دفاع بنانا ہی تھا اور سکھ سٹیٹ کا سٹنٹ صرف سکھوں کو بُدھو بنانے کے لیے چلایا گیا تھا - پھر بھی اکالی لیڈر کانگریسیوں سے یہ تو کہہ سکتے تھے کہ مسلم لیگ تو ہمیں سٹیٹ دینے کے لیے تیار ہے آپ لوگ بھی کم از کم ہمارا یہ مطالبہ تو تسلیم کر لیں -"

(ساچی ساکھی ایڈیشن دوم ص ۱۲۸)

نیشنل ازم سوار تھا

سردار کپور سنگھ لکھتے ہیں:

"ہسپتال میں آپریشن کے دوران میں ماسٹر تارا سنگھ سے ملا اور کہا تقسیم سے قبل اگر سکھ یہ پوزیشن لیتے کہ خواہ پاکستان بنے یا بھارت ہمیں الگ صوبہ ضرور دیا جائے تاکہ ہم سکھ پنتھ کی حفاظت کر سکیں تو انگریز سکھوں کا ضرور بندوبست کرتے - انہوں نے میری بات سُن کر سر پر دو چار ٹکے مارے اور تاسف بھرے لہجے میں کہا "اس وقت ہمارے سروں پر نیشنل ازم سوار تھا -" یہ بات انھوں نے دو تین مرتبہ دہرائی اور لمبی .... خاموشی تان لی -"

(پنتھ پرکاش دہلی بیساکھی نمبر ۶۶۸)

سردار کپور سنگھ کو اس سانحے کا ہمیشہ افسوس رہا کہ سکھ لیڈروں نے اپنی توم سے زیادتی کی اور وہ کانگریس کے ہاتھ میں کھلونا بنے رہے - وہ سردار بلدیو سنگھ سے اپنی آخری ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں:

"وفات سے تین روز پہلے میں ان سے ملا اور پنتھ کی سیاست زیر بحث آئی - کروڑوں روپیہ جمع کرنے اور سارے پنتھ کا مستقبل وزارت

دفاع کے عہدے میں تولنے کے بعد سردار بلدیو سنگھ جی بہت دُکھی، اداس اور نااُمید انسان نظر آتے تھے - بولے: اگر ہمیں اس وقت علم ہو جاتا کہ ان کانگریسی سالوں نے ہم سے یہ سلوک کرنا ہے تو کچھ سکھوں کا بنا لیتے -"

(پنتھ پرکاش بساکھی نمبر ۶۸ء)

ان کی ٹھکائی کرو

اکالی دل کو قیام بھارت کے بعد کانگریس کی طرف سے جو پہلا انعام موصول ہوا اس کا حال بیان کرتے ہوئے سردار کپور سنگھ لکھتے ہیں:

"ڈپٹی پرائم منسٹر اور وزیر داخلہ سردار پٹیل اور پرائم منسٹر شری نہرو کی اجازت اور مرضی سے پنجاب کے گورنر چندو لال ترویدی نے مشرقی پنجاب کے تمام ڈپٹی کمشنروں کو پنجاب کے وزیر داخلہ سردار سورن سنگھ کی مرضی سے بڑی چالبازی سے کام لے کر یہ ہدایات جاری کروائیں کہ مغربی پنجاب سے اُجڑ کر آنے والے اور مشرقی پنجاب میں رہنے والے سکھوں کو جرائم پیشہ قوم تسلیم کیا جائے اور ان پر سختی کی جائے، ان کی مار کٹائی کی جائے، ضرورت پڑنے پر گولی بھی چلائی جائے، سرکاری سطح پر بغیر قانون اور انصاف کو مدِنظر رکھے ایسی سختی کی جائے کہ سکھوں کو ہوش آ جائے کہ راجہ کون ہے اور رعایا کون؟ ان دنوں پنجاب میں صرف دو ڈپٹی کمشنر تھے - ایک کانگڑہ میں اور دوسرا گڑگاؤں میں، اور کسی نے تو کیا جبل وحجت کرنی تھی، میں نے ایک سخت "دوس پتر" (غصّے

بھراخط) تردیدی کو لکھا اور اسے احساس دلایا کہ سکھوں کو لیٹرے اور غیروں کی بہو بیٹیوں پر ہاتھ ڈالنے والے" کہنے والوں کی اپنی قوم کا کیا حال ہے۔"

(ساچی ساکھی دوسرا ایڈیشن)

جب سردار کپور سنگھ کے اس رویے کی اطلاع پنڈت نہرو کو ہوئی تو وہ بر... ہوئے اور اُنہوں نے ایک چٹھی گورنر پنجاب اور چیف منتری پنجاب گوپی چند بھ... کو لکھی، جس میں لکھا: "...HY IS NOT SOMETHING DONE ABOUT THIS MAN"

(ساچی ساکھی)

سردار صاحب کہتے ہیں:

"میں نے یہ چٹھیاں اپنے خلاف کی گئی محکمانہ پڑتال میں شہادت کے طور پر طلب کی تھیں۔ مگر میری درخواست نامناسب طور پر اور قانون کی مرضی کے خلاف ٹھکرا دی گئی۔ یہ کہہ کر کہ "یہ غیر ضروری ہے۔"

(ساچی ساکھی ایڈیشن دوم صـ۶)

اکالی لیڈر سردار حکم سنگھ کا بیان ہے:

"دہلی سے آواز اُٹھی، سکھ ڈاکو ہیں، چور اور شرابی ہیں۔ اس کی گونج ... سرکار نے سُنی اور ایک پالیسی لیٹر ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جاری کیا گیا اور تمام ڈ... مجسٹریٹوں کو تاکید کی گئی کہ سکھ جرائم پیشہ قوم ہیں۔ یہ امن پسند ہندوؤں کو... دیں گے۔ ان کو سختی اور مضبوطی سے دبایا جائے۔

(پردھانگی ایڈریس اکالی کانفرنس ۵۱

سردار کپور سنگھ کہتے ہیں:

"بطور اکالی ممبر پارلیمنٹ سردار حکم سنگھ نے اس بہیمانہ سلوک کے خلا...

لوک سبھا میں (CALL - ATTENTION) نوٹس دیا تھا۔ مگر انہی دنوں سردار حکم سنگھ کا ستارہ چمکا اور وہ ڈپٹی سپیکر بنا دیے گئے۔ اس لیے نوٹس درمیان میں لٹکتا رہ گیا۔

(ساچی ساکھی صـ۵)

فوج کے ایک سکھ میجر گیان سنگھ نے اس کے خلاف آواز اُٹھائی اور ان سے جو سلوک کیا گیا۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"۱۹۵۴ء کے قریب ایک ایسا ہی حکم بھارتی فوج کے اعلیٰ افسران کے نام جاری ہوا کہ فوجی سکھوں کو دبا کر رکھا جائے۔ ایک سکھ میجر گیان سنگھ نے اس کے خلاف آواز اُٹھائی اور تحریراً آرمی ہیڈکوارٹر میں احتجاج کیا۔ اس کی جو درگت بنی وہ خود میجر گیان سنگھ ہی بیان کر سکتے ہیں۔"

(ساچی ساکھی صـ۵)

ناقابلِ معافی غلطیاں

ساچی ساکھی ایڈیشن دوم کے صـ۱۳۰ پر سردار کپور سنگھ لکھتے ہیں:

"۱۹۵۰ء میں بھارت کا آئین بناتے وقت پنڈت نہرو، سردار پٹیل، ابوالکلام آزاد اور شری راجندر پرشاد نے تجویز پیش کی کہ اقلیتوں کے تحفظ کے لیے فرقہ وارانہ نمائندگی کی بنیاد پر کچھ کوٹہ پارلیمنٹ، آئین ساز اسمبلی اور سرکاری نوکریوں میں مختص کر دیا جائے۔ مگر گیانی کرتار سنگھ نے سردار بلدیو سنگھ کے ذریعے سردار پٹیل سے سودا بازی کر لی اور "وزارت" کی رشوت لے کر لکھ دیا کہ "سکھ کوئی تحفظ

اور الگ نمائندگی نہیں چاہتے۔"

ابوالکلام آزاد جن کی تحریک پر یہ سب کچھ ہوا تھا سٹپٹا کر رہ گئے اور ہاتھ پہ ہاتھ مار کر کہنے لگے:

"گیانی جی! آپ تو مسلمانوں کو بھی لے ڈوبے۔"

آج سکھ حضرات اپنی ماتر بھاشا پنجابی میں سنسکرت کے غلبے کا رونا روتے ہیں، لیکن یہ بات نہیں جانتے کہ جب تقسیم کے بعد قومی زبان کا مسئلہ پیش آیا تو دو زبانیں منتخب ہوئی تھیں۔

۱۔ ہندوستانی

۲۔ ہندی۔

ووٹنگ کے وقت محض ایک ووٹ کی اکثریت سے ہندوستانی کی بجائے ہندی قومی زبان بن گئی۔ اور یہ ووٹ تھا گیانی گورمکھ سنگھ مسافر کا جس نے اپنی "سکھ مت" کا مظاہرہ کیا اور محض ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ساری عمر کے لیے سکھوں کے گلے میں سنسکرت کا طوق ڈال کر ناگری رسم الخط کو بھارت کا مقدر بنا دیا۔ جب اس سانحہ کی خبر مولانا ابوالکلام آزاد کو ہوئی کہ گیانی جی نے وعدے کے باوجود ووٹ ہندوستانی کی مخالفت میں ڈالا ہے تو انہوں نے بے ساختہ کہا:

"ایک ذلیل سکھ نے بڑی گھٹیا حرکت کی ہے۔"

پنجاب میں تعلیمی زبان کے لیے گورمکھی کی تجویز پیش کی گئی تو سردار اُجل سنگھ نے کہا کہ گورمکھی صرف چوتھی جماعت تک پڑھائی جائے۔ اس کے بعد ہندی شروع کر دی جائے۔ دلیل یہ پیش کی کہ ہندی پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اس طرح سکھ ازم کے پرچار کے مواقع زیادہ پیدا ہوں گے اس طرح خود ہی

سکھوں کی ثقافت پر کلہاڑا چلا دیا۔

سکھ جرنیلوں کی چھٹی

قیامِ بھارت کے بعد ماسٹر تارا سنگھ نے کہا تھا:

"کیا ہوا اگر حکومت ہندوؤں نے سنبھال لی۔ فوج ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم بزورِ شمشیر حکومت چھین لیں گے۔" ان کا ۱۹۴۰ء کا پنجاب پر قبضہ کرنے کا احمقانہ منصوبہ ہندو لیڈروں کے علم میں تھا۔ حکومت کے کان کھڑے ہو گئے اور اس نے سکھ فوجی افسروں کو چھٹی کروانا شروع کر دی۔ اس طرح جو بڑے بڑے جرنیل ماسٹر تارا سنگھ کی "سکھ مت" کی بھینٹ چڑھے اُن کے کچھ نام یہ ہیں:

۱۔ کوارٹر ماسٹر جنرل بخشیش سنگھ چمنی

۲۔ بنگال اور بہار کے جی۔او۔سی انچیف بریگیڈیئر پریتم سنگھ۔

۳۔ میجر جنرل کلونت سنگھ

۴۔ جنرل عجائب سنگھ

۵۔ جنرل کلدیپ ڈھلوں اور میجر جنرل لاکھندر سنگھ۔ بعد میں جنرل وکرم سنگھ بھی اسی پالیسی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا اور جنرل سنت سنگھ اور جنرل وگمبر سنگھ نے اپنی نوکری بچانے کے لیے کیس منڈا دیے تھے۔

(بحوالہ رسالہ سنت سپاہی مارچ ۱۹۵۱ء)

ماسٹر تارا سنگھ کی کرنی آج سکھ بھر رہے ہیں اور اب یہ عالم ہے کہ فوج میں ان کا کوٹہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔

ایسی ہی عقل مندی کا مظاہرہ ماسٹر جی نے صوبہ پنجاب کے مسئلے پر کیا تھا

انہیں اس بات کا زعم تھا کہ پٹیالہ تو پنجابی صوبہ پہلے ہی ہے وہ ایک ہی وقت
میں دو پنجابی صوبے بنانے چلے تھے ۔ گلزاری لال نندہ وغیرہ نے ان کے
کرائے پہ پانی پھیر دیا اور پنجاب کے وہ حصے بخرے کیے کہ آج سکھ پنجاب
تقسیم کا ماتم کرتے نظر آرہے ہیں۔

رُوس میں تو ہے

ایسا ہی ایک اور واقعہ سردار کپور سنگھ نے جو ان دنوں لوک سبھا کے ممبر
بیان کیا ہے کہ ۱۹۶۶ء میں اکالی دل نے سکھ ہوم لینڈ کا ریزولیوشن پاس کر
ماسٹر تارا سنگھ نے اپنی بے عقلی کا ثبوت دیتے ہوئے اعلان کر دیا کہ فی الحا
ہم سکھ ہوم لینڈ کا بھارت سے الحاق رکھیں گے، لیکن جب دل چاہے گا
ہو جائیں گے ۔ وہ کہتے ہیں میں ان کی بے عقلی پہ پٹپٹا کر رہ گیا اور ان کی خ
میں دست بستہ عرض کی کہ اب سکھ قوم پر رحم فرمائیں ۔ حالات کی مصلحت کو
سمجھیں اور ایسی بے وقوفی کی باتیں نہ کریں ۔ قانون میں ایسا مطالبہ کرنے وا
کے لیے ۲۰ سال قید کی سزا ہے ۔ ہمیں ہندوؤں کو یہ یقین دلانا ہے کہ سا
بھارت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے لیکن ہم آخر دم تک لڑیں گے ۔ تب ہ
سکھ ہوم لینڈ کا مطالبہ حکومت سُنے گی ۔"

ماسٹر جی بولے :

"روس میں تو ریاستوں کو الگ رہنے کا حق دیا گیا ہے ۔"

میں نے اُن کی بے وقوفی پہ ماتھے پہ ہاتھ مارا اور عرض کیا :

"مائی باپ یہ صرف زبانی کلامی باتیں ہیں ۔ کوئی روسی شہری
اپنے منہ سے یہ بات نکال کر تو دیکھے روسی اسے جہنم واصل کر

دیں گے ۔"

تین گھنٹے کی مغز ماری کے بعد میں اس قابل ہوا کہ انہیں اپنی بات سمجھا سکوں بلکہ اس اثناء میں اکالی دل ورکنگ کمیٹی نے مجھے ذہنی عذاب میں مبتلا کیے رکھا۔

سکھ قوم کی بدقسمتی تھی کہ اُسے ماسٹر تارا سنگھ جیسا لیڈر میسّر آیا جو ہنگامی حالات کی پیداوار تھا اور عقل نام کی کسی چیز سے اس کی آشنائی نہیں تھی ۔ پرنسپل سردار جودہ سنگھ نے اپنی کتاب "پنتھ لئی ٹھیک راہ" میں لکھا ہے :

"پچھلے بیس سالوں میں ہمارے نام نہاد لیڈر اپنی ایک بات بھی نہ منوا سکے ۔ پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھی کی قسمیں اُٹھا اٹھا کر کہا کہ ہم پنجاب میں مسلم اکثریت کو تسلیم نہ کریں گے ۔ لیکن نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ان کے ساتھ مل کر کام کیا ۔ پھر آزاد پنجاب کا نعرہ لگایا، لیکن ہندو اس میں شامل نہ ہوئے ۔ اس میں ناکامی کے بعد آزاد سکھ سٹیٹ کا مطالبہ کیا ۔ پھر اس سے دستبردار ہو گئے ۔ آخر میں کہا ہم پاکستان نہیں بننے دیں گے ۔ مسلمانوں کی ازلی دشمن کانگریس نے تو مطالبہ پاکستان تسلیم کر لیا ۔ لیکن یہ ڈٹے رہے جو بے وقوفی کی انتہا تھی ۔ الغرض قدم قدم پر انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔"

آج سکھوں کو اپنا پنتھ خطرے میں نظر آیا ہے تو وہ اپنے علیحدہ تشخص کا رونا رو رہے ہیں ۔ سیانے کہتے ہیں کہ سکھوں کو عقل ہمیشہ سر سے پانی گزر جانے کے بعد آتی ہے ۔ آج سکھوں نے یہ کہاوت سچ کر دکھائی ہے ۔ ان کے مطالبہ خالصتان کو ساری دنیا کے آزادی اور انسانیت پسندوں کی حمایت حاصل ہے ۔ لیکن بظاہر یہ بات ممکن نظر نہیں آتی کہ وہ کبھی بانیا سرکار کے پنجۂ استبداد سے رہائی حاصل کر سکیں گے کیونکہ آج بھی بدقسمتی سے

وہ لیڈر شپ کی نا اہلی کا شکار ہیں اور ایک بھی قدِ آدم شخصیت ان میں دکھائی
دیتی جو گورو گوبند سنگھ جی کی طرح ان کی کمان سنبھالے اور "چڑھدی کلا" کی طرف
لے جائے۔

نجات کی راہ

پٹیالہ میں بنسی لال جن سنگھی نے سری امرتسر کی "پوترتا" (پاکیزگی) کا مذاق
اُڑاتے ہوئے کہا کہ اس شہر کے متعلق بل کیونکر پاس ہو سکتا ہے جس کی بنیاد
ایک گائے کھانے والے مسلمان کے ناپاک ہاتھوں نے رکھی ہے۔

سردار گورچرن سنگھ ٹوہرا نے لوک سبھا میں بیان دیا:

"ہم نے آزادی کی لڑائی میں حصہ لیا اور ۱۲۱ پھانسی پانے والوں
میں ۹۳ سکھ تھے۔ عمر قید کی سزا ۲۶۴۸ افراد کو ہوئی جن میں سے
۲۱۴۷ سکھ تھے۔ جلیانوالہ باغ میں ۱۳۰۰ شہری مارے گئے جن میں
۷۰۰ سکھ تھے مگر ہمارے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا۔" دھارمک "انصاف"
بھی نہیں۔ اسی لیے تو ہماری نجات خالصتان میں ہے۔"

(گوردوارہ گزٹ امرتسر مئی ۱۹۸۱ء)

ہفت روزہ "میل ملاپ" چنڈی گڑھ کے ایڈیٹر نے ۲۸ ستمبر ۱۹۸۱ء کے
شمارے میں لکھا: "ہمیں دوسرے درجے کا گھٹیا شہری بنا کر رکھ دیا گیا ہے
مہاراشٹر اور میسور کی حکومتوں نے حکم جاری کر دیا ہے کہ کسی سکھ کو سرکاری
نیم سرکاری اداروں میں ملازمت فراہم نہ کی جائے۔ مدراس میں گو کہ حکماً ایسا
نہیں لیکن عملاً یہی کچھ ہو رہا ہے۔ حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے
سکھوں پر پنجاب سے باہر قافیہ تنگ کر دیا جائے۔

سری دربار صاحب امرتسر میں جو فی الحقیقت سکھوں کی سب سے زیادہ مقدس
عبادت گاہ "اکال تخت" ہے، سگریٹوں کی ڈبیہ پائے جانا آئے دن کا معمول
بن کر رہ گیا تھا۔ ان حرکتوں کا ردِ عمل تھا کہ سکھوں کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ امرتسر
میں سگریٹ پان کی دکانوں کو آگ لگا دی جائے گی۔ لیکن ان کی اس بات کو
سوائے دیوانے کی بڑ کے کوئی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ "پانچ ککوں" (کیس،
لنگا، کچھا، کڑا، کرپان) کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور خود سکھ نوجوان نسل کا یہ
حال ہے کہ وہ کیسوں سے بے نیاز تو پہلے ہی تھے اب داڑھی سے بھی چھٹکارا
حاصل کر رہے ہیں۔ اگر کسی سکھ نوجوان کے منہ پر چھوٹی چھوٹی داڑھی نظر بھی آتی
ہے تو صرف اس لیے کہ اس نے بطور "فیشن" اُسے اپنا رکھا ہے۔

ہندوؤں کے نزدیک ان کی حیثیت دوسرے درجے کے شہریوں سے زیادہ
کچھ بھی نہیں۔ انہیں اُجڈ، ان پڑھ، جاہل، وحشی اور گھٹیا کے القاب سے نوازا
جاتا ہے۔ ملک کے بڑے بڑے صوبوں میں قانوناً اور عملاً ان کو ملازمتیں
دینے پر پابندیاں عائد ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ اُن کا اپنا کیا دھرا ہے۔ اُن کے لیڈروں کی بداعمالیوں
کا خمیازہ آج ساری سکھ قوم مل کر بھگت رہی ہے۔

پنجاب ہمارا ہے

"قینچی اُسترا کرو تیار" "نہنگوں کا استھان، نائی کی دکان"، "پنج ککا مُردہ باد"
"ہندو نے للکارا ہے یہ پنجاب ہمارا ہے۔"

(بحوالہ جیون پربھتی چنڈی گڑھ، اکتوبر ۱۹۸۱ء)

یہ ہیں وہ نفرت اور کرودھ سے بھرے ہوئے نعرے جو مشرقی پنجاب

کی دیواروں پر جن سنگھی غنڈے عام طور پر لکھ دیتے ہیں اور اپنی "سبھاؤں" اور "منڈلیوں میں" جن کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔

قدرت کا قانون اٹل ہے اور وقوع پذیر ہو کر رہتا ہے۔ کبھی پاکستان مانگنے والوں کا قبرستان بنانے والے سکھوں کی بے بسی ملاحظہ ہو کہ آج نابھ اور سنگرور میں "گورو گوبند ہائے ہائے" "اکالی کتے ہائے ہائے" کے نعرے بھی انہو کو سننے پڑتے ہیں، اور خالصہ جی بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنے سب کچھ سن رہے ہیں۔

مرن برت

قیام پاکستان کے فوراً بعد کانگریس نے قائداعظمؒ کی پیشگوئی کے مطابق سکھوں سے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ وہ سارے وعدے جو سردار پٹیل نے سکھ لیڈروں سے کیے تھے۔ بے وفا محبوب کے وعدوں سے بھی زیادہ ناپائیدار تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ بات عام طور پر سکھوں کو پیش آئی تھی کہ جس کسی محکمہ میں وہ نوکری حاصل کرنے گئے وہاں کا ہندو افسر انہیں حکم دیتا کہ پہلے کیس منڈوا کر آؤ۔ جب وہ بے چارہ آتا تو کمال بے نیازی سے کہا جاتا کہ اب تو وہ سیٹ فلاں کانگریسی کے بھائی کو الاٹ ہو گئی ہے۔ آئندہ تمہارا خیال رکھیں گے۔

پہلا بے رحمانہ مذاق سکھوں سے ضلع ہوشیار پور کے ایک مقام مکیریاں پر کیا گیا۔ جہاں ۱۹۵۱ء میں دسہرہ کے میلے پر ہندوؤں نے جلوس نکالا اور ایک شخص نے انتہائی مکروہ شکل بنا کر سکھ کا سوانگ رچایا۔ اس کے ہاتھ میں گوبر تھا۔ جسے وہ گوردوارے کے پرشاد کا نام دیتا۔ کسی کی جرأت نہ تھی

کہ اس کا کچھ بگاڑ سکے۔ ایک سکھ افسر کے احتجاج پر ہندو تھانیدار نے نقض امن کے تحت اس کا چالان کر دیا۔ اس واقعے کا چرچا بھارتی لوک سبھا میں بھی سنا گیا، لیکن حکومت نے سکھوں کی شکایت پر کان دھرنا بھی گوارا نہ کیا۔ (دیکھی کھوج)

جن دنوں سنت فتح سنگھ نے پنجابی صوبے کے سوال پر مرن برت رکھا تو ماسٹر تارا سنگھ نے اپنے نمبر بنانے کے لیے اس کے ساتھ ہی مرن برت رکھ لیا جتھے دار پریتم سنگھ گوجرال بھاگا بھاگا پنڈت نہرو کے پاس پہنچا.... کہ ماسٹر جی کا منصوبہ مان کر ان کی جان بچا لیں۔ پنڈت نہرو کا جواب تھا:

"پنجابی صوبہ نہیں بنے گا۔ میری طرف سے وہ بہروپیا تو کیا سارے سکھ مر جائیں۔" (دیکھی کھوج جلد چہارم)

سکھ اتہاس کی مستند کتاب "پنتھک نشانہ" کے مصنف نے ماسٹر تارا سنگھ کا ایک بیان لکھا ہے جو انھوں نے قیام پاکستان کے تھوڑی ہی دیر بعد ہندوؤں کے ظالمانہ رویے کے پیش نظر دیا تھا:

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ڈسنے کے بعد اب گاندھی جی کے چیلے ہماری طرف آ رہے ہیں۔ یوں دکھائی دیتا ہے جیسے آریہ سماجیوں کا پرانا جذبہ وحشت جو مسلمانوں کے خلاف کارفرما تھا اب ہمارے خلاف ابھرنے لگا ہے اور وہ سکھ پنتھ کو ختم کر دینے کی فکر کر رہے ہیں۔" (پنتھک نشانہ ص۹)

ڈاکٹر سرون سنگھ بیان کرتے ہیں:

"کانگریس جو خود کو سیکولر کہلانے کی دعویدار ہے۔ خود تو وید پاٹھوں کے ساتھ جشن آزادی مناتی ہے۔ جہازوں کا مہورت کرنے اور "سومناتھ" جیسے مندروں کو دوبارہ قائم کرنے پر معترض

نہیں۔ ہاں پٹیالہ کے راج سمبندھ میں سکھی سدھانتوں کا سکھی "مریادہ" سے کوئی تعلق برداشت نہیں کرتی۔ پٹیالہ راج کے لیے گوروگھر کا آشیرواد بھی گوارا نہیں کرتی۔"

(سوامی ایڈریس گورومت مہاسماگم پٹیالہ ص ۱۲، ۱۳)

سکھوں کے وہ لیڈر جنہیں اکالی دَل کا دماغ سمجھا جاتا ہے یعنی گیانی کرتار جی نے ایک مرتبہ بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا:

"جو کچھ ہمیں حاصل تھا وہ تو جاتا رہا اور آئین بناتے وقت جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ پورے نہ ہوئے۔" (سکھ منگاں ص ۶)

یہ وہی گیانی جی ہیں جو ماسٹر تارا سنگھ کے بعد مسلم دشمنی میں پیش پیش رہے ۱۹۴۸ء میں ضلع ہوشیار پور میں گوردوارے کو نذرِ آتش کرنے کے واقعہ کا فیصلہ کرتے ہوئے مسٹر جسٹس اچھرو رام نے کہا:

"ہندو گوردواروں کو آگ نہیں لگا سکتے۔ یہ سکھوں کی اپنی شرارت ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر سکھ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ گورو گرنتھ صاحب کی بیڑوں کو جلانے کے دیگر واقعات بھی سکھوں نے خود ہی انجام دیے ہیں۔"

(ساچی ساکھی ایڈیشن دوم ص ۱۵۲)

۶ لاکھ سے ۳ لاکھ

ماسٹر تارا سنگھ نے ۳۰ ستمبر ۱۹۵۱ء کو جلیانوالہ باغ میں تقریر کرتے ہوئے انکشاف کیا تھا:

"یوپی میں تقسیم سے قبل سکھوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ مگر آج آزادی کے بعد تین لاکھ سکھ باقی رہ گئے ہیں۔ گویا تین لاکھ سکھ ہندو بنا لیے

گئے ہیں۔ بدقسمتی سے حالات نے ایسا پلٹا کھایا ہے کہ ہم مسلمانوں کے غلبے سے بچتے بچتے ہندو کے شکنجے میں پھنس گئے ہیں۔"

مشہور سکھ ودوان اور "السٹریٹڈ ویکلی" کے سابق ایڈیٹر خشونت سنگھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب (THE SIKHS) میں سکھوں کی عمومی حالتِ زار کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے:

"اس صدی کے آخر تک سکھ ختم ہو جائیں گے۔"

واہگورو بیڑہ غرق کرے

ماسٹر تارا سنگھ اپنے آخری دنوں میں پچھتاوے کا شکار ہو گئے تھے اور اکثر مواقع پر جذباتی ہو جایا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ کہا تھا:-

"آج ہمارے تخت بھی آزاد نہیں رہے اور وہ بھی کانگریس کے زیر اثر ہیں "اکال تخت" کا کوئی فیصلہ کانگریس کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا، انگریزی دور میں ایک مرتبہ "اکال تخت" نے حکم جاری کر دیا تھا کہ سکھ ارداس کریں کہ واہگورو اس حکومت کا بیڑہ غرق کر دے۔ آج کیا حکومت "سری اکال تخت" کو کوئی ایسا حکم جاری کرنے کی اجازت دے گی۔ کیونکہ سکھوں کے لیے حقیقتاً اس ارداس کی جتنی ضرورت آج ہے پہلے کبھی نہ تھی۔"

(پنتھک نشانہ)

شام لال تیواڑی نے مینا نگر میں ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"سکھوں کے تو ہر وقت بارہ بجے رہتے ہیں۔ آج ماسٹر تارا سنگھ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کل حکم سنگھ کا ہو جائے گا۔ ان لوگوں

کے دماغ میں اب آزادی کے بعد سکھستان کا بھوت سمانے لگا ہے اور اس کے لیے خون کی ندیاں بہانے کی دھمکیاں دیتے ہیں میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سوائے پاگل پن کے اور کچھ نہیں۔ سکھ سٹیٹ دیوانے کا خواب ہے۔"

(قومی درد جالندھر جولائی ۱۹۶۸ء)

چار آنے لگتے ہیں

ہریانہ کے وزیر اعلیٰ سے ایک مرتبہ سکھوں کا وفد ملنے گیا اور عرض کی کہ جناب ہریانہ کی وزارت میں ایک سکھ وزیر بھی لیا جائے۔ اس طرح کم از کم کسی حد تک تو ہماری نمائندگی ہو گی۔ ہریانہ کے ہندو وزیر اعلیٰ نے صاف الف میں کہہ دیا:

"چار آنے لگتے ہیں۔ ان بے تحاشا بڑھے ہوئے بالوں سے نجات حاصل کر لو۔ اس کے بغیر ہم تمہاری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔"

(ساچی ساکھی)

• تاریخ اپنا عمل دہرانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتی۔ اس کا ظالم آہ جب چلنے پر آئے تو کوہ شگاف ارادوں کو بھی موت آجاتی ہے۔ وہ قوم جن کے لیڈر گمراہی کے شکار ہو جائیں اپنے تشخص کی بلند و بالا عمارت سمیت زمین بوس ہو جاتی ہیں۔

قدرت کا دستور یہ نہیں کہ کسی قوم کو بار بار مواقع دیتی رہی سنبھلنے اور اپنا حق وصول کرنے کا موقعہ کبھی کبھی ملتا ہے۔ سکھ قوم کی یہ بہت بڑی بدقسمتی کہ ان کے مقدر کی لگامیں ماسٹر تارا سنگھ، مہاراجہ پٹیالہ، گیانی کرتار سنگھ ا

بلدیو سنگھ جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھیں جو کانگرس کی شطرنج کے معمولی مہروں سے زیادہ اور کوئی حیثیت حاصل نہ کر سکے۔ مکار ہندو نے جب چاہا انہیں آگے بڑھا دیا اور جب چاہا پیچھے ہٹا لیا۔ ان کی نہ تو کوئی اپنی سوچ تھی نہ ہی کوئی اپنا واضح منصوبہ ان کے ذہنوں میں صرف ایک ہی سودا سمایا تھا کہ مسلمانوں نے ان کے گوروؤں سے برا سلوک کیا ہے اور وہ ان کے خون کے پیاسے ہو گئے حالانکہ خود ان کے اپنے "ثقہ ودوان" ایک عرصے سے چلاتے آرہے تھے کہ یہ سب ہندو کی سازش ہے اور وہ سکھ مسلم دشمنی کی نیو پر اپنی سیاست کے ایوان تعمیر کر رہا ہے لیکن وہ لیڈر جن کے ضمیر اپنی قیمت چکا لیں۔ اوّل تو اخلاقی جرأت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اگر کبھی ان کا ضمیر ان کے اس فعل پر ملامت بھی کرے تو وہ سوائے تلملانے کے اور کچھ نہیں کر پاتے کہ سانپ گزرنے کے بعد صرف لکیر ہی پیٹی جاتی ہے اور سوائے پچھتاوے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

قائداعظم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: "گاندھی دومنہ والا سانپ ہے"۔ اُن کی اس حق گوئی کا ثبوت تاریخ نے فراہم کر دیا۔ مسلمان زعماء نے اپنے قائد کی اس بات پر آمنا صدقنا صرف اس لیے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ انہیں اپنے رہنما کی سیاسی بصیرت پر اعتماد تھا بلکہ اس معاشرے میں رہتے ہوئے اُنہوں نے خود ہندو کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔

سردار کپور سنگھ جیسے ہزاروں سکھ اس وقت بھی حقیقت کو پا گئے تھے۔ انہوں نے بزعم خویش لیڈروں کو بھی اپنے احساسات سے آگاہ کر دیا تھا لیکن ماسٹر تارا سنگھ کے سیاسی نقار خانے میں ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

سچائی اپنا وجود منوا کر رہتی ہے۔ آج جن نامساعد حالات کا سکھ قوم کو سامنا ہے اس کی پیش گوئی نہ صرف قائداعظمؒ نے بلکہ خود ان کے دردمند

رہنماؤں نے تقسیم ملک سے قبل ہی کر دی تھی۔

ممکن ہے آج سکھ زعماء یہ بات سوچ رہے ہوں کہ قائداعظمؒ نے سچ کہا تھا۔

○

پہلا کمانڈر انچیف

مشرقی پنجاب میں سکھوں کے مقدس ترین مقام دربار صاحب پر فوج کشی کے درمیان بھارتی افواج کے ہاتھوں جو سکھ لیڈر مارے گئے ہیں ان میں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے بعد نمایاں نام بھارتی فوج کے سابقہ میجر جنرل سوبیگ سنگھ کا ہے۔

جنرل سوبیگ سنگھ کو دربار صاحب میں محصور سکھ حریت پسندوں کے کمانڈر کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ آخری سانس تک نہ صرف اپنے ساتھیوں کی کمانڈ کرتے رہے بلکہ بھارتی فوج کی بے پناہ گولہ باری اور فائرنگ کے باوجود پورے دربار صاحب میں جگہ جگہ مورچہ بند اپنے حریت پسند ساتھیوں کے پاس فرداً فرداً پہنچ کر ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔

جب تک جنرل سوبیگ سنگھ زندہ رہے۔ انھوں نے اس شاندار حکمت عملی اور منصوبہ بندی سے اپنے ساتھیوں کو لڑایا کہ بھارتی فوج کے دانت کھٹے کر دیے۔ اور انھیں "ہرمندر صاحب" میں جو بھارتی فوج کا ٹارگٹ تھا داخل نہیں ہونے دیا۔

۱۷۲ ایکڑ کے رقبے میں پھیلی ہوئی دربار صاحب کی عمارت کے "حساس مقامات" جنہیں سکھ مذہب کے نزدیک اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ ایک مستطیل کی

شکل میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ ہر مندر صاحب تالاب میں بنا ہوا ہے جس کے "سنہ
کلس" اس کی شان پر دلالت کرتے ہیں۔

"اکال تخت" جسے ایک طرح سے بھنڈرانوالہ کے "پائے تخت" کی حیثیت بھی حاصل تھی ۔ مشرقی چار دیواری کے عین مرکز میں ایک پانچ من عمارت کا نام ہے ۔ یہ سکھوں کا مذہبی لحاظ سے "حساس ترین" مقام ہے او بھارتی فوج کو خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اس مقام پر ایک گولی بھی فائر نہ کر

اس مقدس مقام کے گرد اگرد اور ہر مندر صاحب کے تالاب کے کناروں پر میجر جنرل سوبیگ سنگھ نے اتنی شاندار منصوبہ بندی کی ہوئی تھی کہ صرف ۵۰۰ سکھ حریت پسندوں پر قابو پانے کے لیے بھارت نے سرکاری اعلان کے مطابق ۵ بٹالین فوج یعنی قریباً ۵ ہزار فوجیوں کے ساتھ حملہ کیا۔

اس مختصر جمعیت نے اپنے نامکمل اور جنگی اہمیت کے لحاظ سے قریباً ناکارہ ہتھیاروں سے جس طرح بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوائے اس کا اعتراف جنرل سندرجی ایریا کمانڈر اور حملہ آوروں کی قیادت کرنے والے میجر برار نے بھی کیا ہے۔

جلد یا بدیر اس لڑائی کا انجام تو یہی ہونا تھا ۔ کیونکہ ناکافی ہتھیار، کم نفری اور گھیرے میں ہونے کی وجہ سے حریت پسندوں نے بالآخر ایک ایک کر کے ختم ہو جانا تھا لیکن ہلاک شدگان نے عام سویلین ہونے کے باوجود "بھیڑوں کے ریوڑ" کی طرح جانیں نہیں دیں بلکہ وہ تربیت یافتہ فوجیوں کی طرح میجر جنرل سوبیگ سنگھ کی کمان میں تنظیم، حوصلہ اور تدبیر کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں ۔

ان حریت پسندوں کے کمانڈر میجر جنرل سوبیگ سنگھ کا اچانک ہی انکشاف ہوا اس سے پہلے جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے ساتھ صرف سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن

کے صدر امریک سنگھ کا نام ہی سنا جا رہا تھا اور سوبیگ سنگھ کو ان کے عام سے عقیدت مند کی حیثیت ہی حاصل تھی۔

یہ وہی جنرل سوبیگ سنگھ ہے جو کبھی ہندو مفادات کے تحفظ کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بنگلہ دیش میں مکتی باہنی کو ٹریننگ دینے گیا تھا تب یہ بریگیڈیر تھا اور بھارتی ذرائع ابلاغ کے مطابق اس وقت مشرقی کمانڈ نے بریگیڈیر سوبیگ سنگھ کے سر کی قیمت ۵ لاکھ روپے رکھی تھی۔

سوبیگ سنگھ نے جی جان سے بھارتی مفادات کے لیے کام کیا اور بنگلہ دیش کے جنگلوں میں مکتی باہنی کے کئی خفیہ اڈے قائم کرنے کے بعد انہیں تربیت دے کر پاکستانی فوج پر گھات اور شب خون کے لیے روانہ کرتے رہے۔

بریگیڈیر سوبیگ سنگھ بنگلہ دیش کے قیام کے صرف ۳ دن پہلے واپس آئے تھے ۔ ان کی ان خدمات کا، جو انہوں نے براہمنی سامراج کے لیے انجام دیں بھارتی جرنیلوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا اور انہیں اعزاز سے نوازا گیا۔

بنگلہ دیش میں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے بعد براہمنی عفریت نے جب بھارت میں موجود اقلیتوں کو نگلنا شروع کیا تو ان کا اولین نشانہ سکھ بنے ۔ جنہیں خوش قسمتی سے لیکن اپنی روایات کے مطابق سر سے پانی گزر جانے کے بعد اس تلخ حقیقت کا احساس ہوا تھا کہ ان کی حیثیت بندر کے ہاتھ پکڑی ہوئی گڑیا سے زیادہ ہرگز نہیں۔

وہ احساس محرومی جس نے آہستہ آہستہ عام سکھ کے دل میں بھی گھر کرنا شروع کر دیا تھا، نے سکھوں کو جب اپنے قومی تشخص کا احساس دلایا تو بیداری کی ایک لہر نیچے سے اوپر تک دوڑ گئی اور سکھ فوجیوں نے خاص طور

پر یہ محسوس کیا کہ وہ آج تک صرف قربانی کے بکرے ہی بنے رہے ہیں۔

میجر جنرل سوبیگ سنگھ بھی انہی سکھ فوجیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اس تلخ حقیقت کو قبول کر لیا اور دل و جان سے خالصتان کے قیام کے لیے کوشاں ہوئے دراصل میجر جنرل سوبیگ سنگھ نے بنگلہ دیش میں رہ کر بھارتی انٹیلی جنس "را" RAW کو بہت قریب سے دیکھا تھا کیونکہ یہاں ہونے والے میجر اپریشن کو "RAW" ہی ہینڈل کر رہی تھی۔ سوبیگ سنگھ نے بہت قریب سے "را" کے ہندو افسروں کی ذہنیت کو دیکھا تھا اور یہ بات نوٹ کی تھی کہ "را" میں تمام اہم عہدوں پر خصوصی مقاصد کے تحت مہاسبھائی ذہنیت کے ہندوؤں کو فائز کیا گیا ہے اور وہ لوگ ہندوؤں کے علاوہ دنیا کی اور کسی قوم کا وجود روئے زمین پر برداشت نہیں کر سکتے۔

سوبیگ سنگھ کی جہاندیدہ نظروں نے مستقبل میں جھانک لیا تھا اور انہیں بخوبی دکھائی دے رہا تھا کہ آج جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے وہی کل سکھوں کے ساتھ کیا جائے گا اور بھارت میں جس اقلیت نے بھی معاشی طور پر مستحکم ہونے کی کوشش کی ہندو مہاسبھائی ذہنیت کے حامل کانگریسی اسے کچل کر رکھ دیں گے۔

میجر جنرل سوبیگ سنگھ اپنی نجی محفلوں میں ان خیالات کا اظہار دبی زبان میں کرنے لگے تو فوج کا خصوصی شعبہ جاسوسی حرکت میں آیا اور سوبیگ سنگھ کی ترقی روک کر انھیں فوج سے ریٹائر کر دیا گیا جس کے بعد سے وہ جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے قریبی ساتھی شمار ہونے لگے اور بہت تھوڑے عرصے میں انہیں خالصتان کے حامی عناصر کے نزدیک اہم حیثیت حاصل ہو گئی۔

میجر جنرل سوبیگ سنگھ نے [illegible] وہی فرائض سنبھالے جو انہیں بھارتی فوج

"را" کی طرف سے بنگلہ دیش میں سونپے گئے تھے لیکن اس مرتبہ یہ فرائض وہ "ہندو آرمی" کی طرف سے نہیں بلکہ "سکھ پنتھ" کی طرف سے "پنتھ دی چڑھدی کلا" کے لیے انجام دے رہے تھے۔

انہوں نے مختلف مقامات پر خفیہ کیمپ تیار کروائے اور وہاں بھارتی فوج کے ریٹائرڈ اور جبری نکالے گئے سکھ افسران کی مدد سے سکھ نوجوانوں کو اسلحی تربیت دینا شروع کر دی۔

شنید ہے کہ کسی طرح اندرونی غداری کی وجہ سے ایسے ایک کیمپ کا انکشاف ہو گیا۔ بھارتی انٹیلی جنس نے بڑی سرگرمی دکھائی اور جنرل کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے عین وقت پر چھاپہ مارا جب انہیں جنرل سوبیگ سنگھ کے وہاں موجود ہونے کی پکی خبر ملی تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ یہاں سے جنرل سوبیگ سنگھ انٹیلی جنس کو جل دے کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کیمپ پر جو کشمیر اور پنجاب کی سرحد پر قائم کیا گیا تھا چھاپہ مار کارروائی کے دوران بھارتی سیکورٹی فورسز کو زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور یہاں موجود سکھ حریت پسندوں نے میجر جنرل سوبیگ سنگھ کو بحفاظت نکال دیا۔

اس ٹریننگ کیمپ سے گرفتار ہونے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ سکھ مقابلے میں مارے گئے جو پانچ چھ شدید زخمی ہاتھ لگے انہیں انٹیلی جنس کے عقوبت خانوں میں اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا گیا کیونکہ انہوں نے کوئی بھی "کام کی بات" بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ یہاں سے فرار ہو کر جنرل سیدھا دربار صاحب پہنچا اور وہیں روپوش ہو گیا۔

جنرل سوبیگ سنگھ کو دربار صاحب میں روپوشی کے دوران باغی سکھ عناصر کے کمانڈر انچیف کی حیثیت حاصل تھی اور تمام اپریشن ان کی نگرانی میں

میں کیے جا رہے تھے انہوں نے مرحلہ وار پروگرام کے تحت سب سے پہلے مشرقی پنجاب میں سکھوں کے مرکز دربار صاحب کے گرد اگرد موجود "سکھ دشمن" عناصر کا قلع قمع کرنے کا قصد کیا اور جالندھر، لدھیانہ، پٹیالہ اور امرتسر میں یکے بعد دیگرے ہندو لالے قتل ہونے لگے۔

ان کے تربیت یافتہ سکھوں کی دیدہ دلیری کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے پولیس کی آنکھوں کے سامنے ترن تارن کے مقام پر ایک بس روکی اس میں سے ۵ کانگرسی ہندوؤں کو باہر نکالا اور "مسلح پولیس" کے سامنے انہیں گولیوں سے اڑا کر چلتے بنے۔

سوبیگ سنگھ نے ان سکھ نوجوانوں میں ایسی رُوح پھُونک دی تھی کہ وہ شاید مستقبل میں بھی کبھی بھارتی فوج کو خاطر میں نہیں لائیں گے ان کی موت ایک دلیر اور مدبر جنرل کی موت تھی یہ ان کے تربیت یافتہ سکھ گوریلے ہی ہیں جنہوں نے بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبا رکھے ہیں اور تا دم تحریر وہ فوج سے اِکّا دکّا جھڑپیں مسلسل مول لے رہے ہیں ان کی مدافعت نرم ضرور پڑ گئی ہے لیکن ختم نہیں ہوئی۔

سوبیگ سنگھ کے دو لڑکے ہیں دونوں فوج میں تھے لیکن یہ ان کی بھارتی فوج سے نفرت تھی کہ انھوں نے اپنے ایک بیٹے کو فوج سے نکلوا لیا اور دوسرا لڑکا جس نے حال ہی میں کمیشن لیا تھا "ضابطے کی کاروائی" کی وجہ سے فوج نہیں چھوڑ سکا تھا کہ اس کا والد بھارتی فوج کی درندگی کی بھینٹ چڑھ گیا۔

ان کی موت کو سکھ قوم نے ایک "ہیرو کی موت" کے طور پر قبول کیا ہے اور ہندو پریس بھی ان کی کردار کشی کی جرأت نہیں کر سکا ان کی لاش بھی فوج کو

شدید عوامی دباؤ کے تحت ان کے ورثاء کے حوالے کرنی پڑی۔ ان کی بہادرانہ موت کا سوگ منانے کے لیے باقاعدہ "اکھنڈ صاحب کا بھوگ" ڈالا گیا اور سارے امرتسر شہر نے ان کا "یوم ماتم" منایا "اکالی پتریکا" کا نامہ نگار لکھتا ہے :-

جب میں ان کے گھر پہنچا تو وہاں غم و غصّے کی ملی جلی کیفیت کے شکار سینکڑوں معلوم اور نامعلوم چہرے موجود تھے "سکھ منی صاحب" کا پاٹھ ہو رہا تھا اور گورو گرنتھ صاحب کے نزدیک ایک طرف میجر جنرل سوبیگ سنگھ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک تصویر پڑی تھی جب کہ دوسری طرف قطار میں وہ میڈل اور تعریفی اسناد رکھی ہوئی تھیں جو جنرل کو وقتاً فوقتاً ان کے کارناموں پر ملی تھیں۔

وہاں موجود ہر شخص غمزدہ ضرور تھا لیکن غصّے سے بھی بھرا نظر آ رہا تھا۔ وہ سب جنرل کے بنائے ہوئے راستے پر چل کر "شہیدی پراپت" کرنے کی قسمیں بھی کھا رہے تھے۔

ایک سکھ نوجوان نے بھارتی ہندو پریس کو گالیاں دیتے ہوئے کہا کہ انہیں جنرل کی کردار کشی کا اور کوئی بہانہ تو نہیں مل سکا اب وہ انتہائی نیچ سطح پر اتر آیا ہے۔ اخبار "انڈیا ٹوڈے" نے لکھا ہے کہ جنرل کی چھوٹی لڑکی کی شادی سکھ فیڈریشن کے صدر اور بھنڈرانوالہ کے قریبی ساتھی بھائی امریک سنگھ کے ساتھ ہوئی تھی۔ حالانکہ جنرل سوبیگ سنگھ کی کوئی بیٹی ہی نہیں ہے۔

"ہندوستان ٹائمز" نے یہ بے پر کی اڑائی کہ ان کے دو بیٹے اب بھی فوج میں ہیں جب کہ یہ سراسر غلط الزام ہے، ان کا صرف ایک بیٹا ابھی تک فوج میں پھنسا ہوا ہے۔

یہ بات بھی من گھڑت ہے کہ ان کی لاش کے نزدیک سے "واکی ٹاکی"

ملا ہے ۔ جنرل سوبیگ سنگھ کی یہ عادت تھی کہ وہ کمانڈ کرتے وقت اپنے پاس صرف ایک چھڑی رکھا کرتے تھے ۔

یہ خون آلود چھڑی بھی ان کے گھر موجود ہے جو ان کی لاش کے ساتھ ہی آئی تھی ۔

جنرل سوبیگ سنگھ کی سابقہ بھارتی وزیر بہوگنا سے بھی گاڑھی چھنتی تھی اور انہوں نے ۱۹۷۷ء میں بہوگنا کی بہت مدد کی تھی ۔

ان کے بیٹوں کو اپنے والد کی موت کا بروقت علم ہوگیا تھا اور ۱۶ جون ہی کو انہیں یہ خبر بھی چندی گڑھ سے مل گئی کہ ان کی والدہ گھر پر نہیں بلکہ وہ فرار ہو کر اپنے میکے "ننھیال" پہنچ چکی ہیں ۔ دونوں لڑکوں نے کرفیو پاس کے لیے چندی گڑھ میں صدر بی ڈی پانڈے ، جنرل سندر جی اور پی ایس بھنڈر تک رسائی حاصل کی لیکن انہیں پاس نہ مل سکے ۔

میجر جنرل سوبیگ سنگھ کہا کرتے تھے کہ میں بنگلہ دیش کا کفارہ دربار صاحب میں بیٹھ کر ادا کر رہا ہوں اور آج ہر سکھ خواہ وہ بوڑھا ہے یا جوان "کفارہ" ادا کر رہا ہے ۔ ان تاریخی گناہوں کا جو اُن کے لیڈروں سے سرزد ہوئے تھے

یک طرفہ محبّت

مسز اندرا گاندھی کی موت کے ساتھ ہی بھارت میں رسوائے مشرقی پنجاب کے سکھوں کے خون سے اسی طرح ہولی کھیلی جانے لگی ہے جس طرح کبھی سکھوں نے ہندوؤں کے اکسانے پر مسلمانوں کے خون سے کھیلی تھی ۔

تاریخ کا دھارا بہت ظالم ہوتا ہے جس پر چل جائے اُسے دُور اندر تک کاٹتا چلا جاتا ہے ۔ اپنا عمل دہرانے میں تاریخ نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا ۔ نہ ہی وہ جغرافیائی تقاضوں کو خاطر میں لاتی ہے ۔

قوموں کی زندگی میں ۳۷ سال کچھ بہت زیادہ لمبا عرصہ نہیں ہوا کرتا ۔ تاریخ کے منطقی نتائج حاصل کرنے کے لیے لمبا اوقات دو یا تین نسلوں کو انتظار کرنا پڑتا ہے ، لیکن برصغیر میں بڑی اہم نوعیت کے موڑ تھوڑے وقفے سے آتے رہے ہیں ۔

۱۹۴۷ء میں جب ماسٹر تارا سنگھ کو یہ سمجھایا گیا کہ وہ ہندوؤں کے پھیلائے جال میں پھنسنے کی بجائے "اندرونی آزادی" کی بنیاد پر اپنی مملکت خالصتان کے حصول کے لیے مسلم لیگ کا ساتھ دیں تو ماسٹر تارا سنگھ نے نہ صرف بڑی رعونت کے ساتھ اس دعوت کو ٹھکرا دیا تھا بلکہ یہ اعلان بھی تلوار لہرا لہرا کر کیا تھا کہ وہ پنجاب تقسیم کرنے والوں کے ٹکڑے کر دیں گے ۔

ماسٹر تارا سنگھ کوئی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا لیڈر نہیں تھا۔ وہ تو حالات کی پیداوار تھا اور کانگریس کے ہاتھ میں موم کی گڑیا۔ ہندو نے جب چاہا جس چاہا اس کی گردن کو گھما دیا۔

ہندوستان تقسیم ہوگیا۔ پنجاب تقسیم ہوگیا۔ پنجاب کے دو حصے تو ہو ہی تھے بھارت سرکار نے مشرقی پنجاب کے مزید ٹکڑے کر دیے اور اسے پنجاب ہریانہ اور راجستھان میں بانٹ دیا۔

ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب تقسیم کرنے کا انتقام بے گناہ اور نہتے مسلمان سے تو لے لیا لیکن وہ ہندو کا کچھ نہ بگاڑ سکا جس نے پنجاب کے نقشے کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

ماسٹر تارا سنگھ کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ آخری عمر میں وہ پاگل ہو کر مر گیا۔ چند لاکھ روپے اور معمولی عہدوں کے لالچ میں سکھ لیڈر شپ جس تاریخی گناہ کی مرتکب ہوئی تھی اس کا کفارہ ۳۷ سال سے سکھ قوم ادا کرتی آ رہی ہے۔

بھارت کا کون سا ایسا شعبہ ہائے زندگی نہیں ہے جہاں سکھوں کو ذلیل و رسوا نہ کیا گیا ہو۔ تقسیم ملک کے فوراً ہی بعد انہیں دوسرے درجے کی اقلیت بنا کر رکھ دیا گیا۔ ان کے مذہبی شعائر کا مذاق اڑایا گیا۔ ان کے گوردواروں میں سگریٹ کی ڈبیاں پھینکی گئیں۔ سکھ اعلیٰ افسران کو بڑے گھٹیا الزامات لگا کر اعلیٰ عہدوں سے چھٹی کروائی گئی۔

غرض ہر وہ طریقہ اپنایا گیا جو کسی بھی محکوم قوم کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے حاکم اپنایا کرتے ہیں۔

لیکن .... ہندو نے کمال مکاری سے سیکولرازم کی رٹ ضرور لگائے رکھی دنیا کو ہمیشہ یہی باور کرانا چاہا کہ بھارت لادینیت کی راہ پر گامزن ایک امن پسن

ملک ہے جہاں سب برابر ہیں۔

دنیا نے بھی جلد ہی دیکھ لیا کہ حقائق کچھ اور ہیں اور بقول قائداعظمؒ کہ گاندھی کبھی وہ بات نہیں کہتا جو اس نے کرنی ہو اور کبھی وہ بات نہیں کرتا جو وہ کہتا ہے۔

گاندھی کی یہ منافقت جو نہ جانے کتنی پشتوں سے منتقل ہوتی اس تک آئی تھی اس نے اپنے چیلے چانٹوں کو بڑی ایمانداری سے منتقل کر دی۔

یہ منافقت ہندو کا قومی مزاج بن کر رہ گئی ہے۔

زندگی کے ہر شعبے میں ہندو ہمیشہ دوعملی کا شکار نظر آتا ہے۔ اپنے لیے کچھ اور دوسروں کے لیے کچھ۔ پاکستان کے ساتھ تین بڑی جنگیں بھارت سرکار نے بڑی ڈھٹائی سے مول لے کر ان کا الزام بھی پاکستان کے سر تھوپ دیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہی سے بھارت نے اس فارمولے پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا کہ اپنے ملک میں ہونے والی کسی شورش کو جو ان کے مظالم کا ردعمل ہو ہمسایہ ممالک کے سر تھوپ دیا جائے۔

بھارت کے کسی بھی خطے میں اگر کوئی مظلوم ہریجن اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوا تو بنیا سرکار نے فوراً پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ تو عرب ممالک کے فراہم کردہ پیسے کی کارستانی ہے۔

سکھوں کو عقل آنے لگی تو اس کا ذمہ دار پاکستان کو گردانتے لگے۔ خود بھارت کی بوڑھی لیڈر شپ یہ جانتی ہے کہ اس نے کس طرح سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کر کے سکھوں سے مسلمانوں کا قتلِ عام کروایا تھا۔

جب بھنڈرانوالہ نے مشرقی پنجاب میں سکھوں پر ہونے والے مظالم کا بدلہ لینے کے لیے ہندوؤں کو مارنا شروع کیا تو اس الزام کی گردان شروع ہوگئی کہ بھنڈرانوالہ اور اس کے ساتھی پاکستان کے ایجنٹ ہیں۔

اس جھوٹے پروپیگنڈہ کو بڑی ہوشیاری کے ساتھ دہرایا گیا اور بھارت سرکار نے ہر سطح پر دنیا کو یہ باور کرانا چاہا کہ سکھوں کو بھارت سرکار سے کوئی شکایت نہیں یہ سب پاکستان کی شرارت ہے ۔

دربار صاحب کے تقدس کو فوجی بوٹوں تلے روندنے کے بعد بھی بھارت سرکار نے یہی رٹ لگائے رکھی کہ شرپسند پاکستانی ایجنٹ ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ آج تک بھارت میں موجود خفیہ حکام کی فوج ظفر موج ایک بھی پاکستانی ایجنٹ کو پکڑ کر عالمی پریس کے سامنے پیش نہیں کر سکی ۔

بھنڈرانوالہ اور دوسرے قد آور سکھ لیڈروں کی موت اور ہر مندر صاحب اور اکال تخت کی بے حرمتی کے بعد سکھوں نے اپنی مذہبی روایات کے مطابق اس بات کا ببانگ دہل اعلان کیا تھا کہ وہ اپنے پنتھ کے مجرموں کو کبھی معاف نہیں کریں گے ۔

ان " مجرموں " کی باقاعدہ ایک لسٹ شائع کی گئی جن میں سرفہرست مسز اندرا گاندھی کا نام تھا ۔

مسز اندرا گاندھی کی موت پر پاکستان کا ردِ عمل بھی دنیا پر ظاہر ہے ۔ حکومت نے ہر سطح پر اس قتل کو "بہیمانہ عمل" قرار دیا اور صدرِ پاکستان نے خود مسز اندرا گاندھی کی آخری رسومات میں شرکت کی اس کے ساتھ ہی ان خیالات کا اظہار بھی کیا کہ مستقبل میں پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں مزید بہتری پیدا ہو گی ۔

اس کے برعکس بھارتی پریس کا رویہ بے حد معاندانہ ہے ۔ حکومت ہند نے مسز اندرا گاندھی کے کارہائے نمایاں میں "بنگلہ دیش کے قیام" کو ایک بڑا تاریخی کارنامہ قرار دیا اور مسلسل یہی کہا گیا کہ بنگلہ دیش کے عوام پاکستانی افواج

کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے جنہیں اس ظلم سے مسز اندرا گاندھی نے نجات دلائی ۔

اس دوران جان بوجھ کر پاکستانی عوام کے جذبات سے کھیلنے کے لیے بار بار ڈھاکہ میں جنرل نیازی کے ہتھیار ڈالنے کا منظر بھارتی ٹیلی ویژن سے دکھایا گیا ۔

یہ جواب ہے پاکستان کی طرف سے مسلسل دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا ۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس فلم کی نمائش ایسے وقت میں کی گئی جب صدر پاکستان ابھی بھارت میں موجود تھے ۔ یہ ہے ہمارے اس دشمن کا رویہ جس کے متعلق ہم مسلسل ایک زبردست غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار ہو رہے ہیں ۔

اب سکھوں کے قتل عام سے عالمی رائے کی توجہ ہٹانے کے لیے بھارتی اخبارات یہ شر انگیز پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ بھارتی لیڈروں کو قتل کرنے کا ایک بڑا منصوبہ پاکستان میں ترتیب دیا گیا تھا ۔ بھارتی اخبارات کی خبروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ لوگ مسز اندرا گاندھی کے قتل میں بھی پاکستان کو ہر صورت ملوث کر کے دم لیں گے ۔

۲۶ اکتوبر کو پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے حوالے سے یہ خبر بھارتی اخبارات نے شہ سرخیوں سے شائع کی تھی کہ بھارت کے چوٹی کے لیڈروں کو قتل کرنے کے لیے پاکستان میں ایک منصوبہ ترتیب دیا گیا تھا ۔

اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے پاکستان نے جو تخریب کار اسلحہ سمیت ٹریننگ دے کر بھارت بھیجے تھے وہ بھارت کے سرحدی علاقے میں ایک چوری کی کار میں گھومتے ہوئے گرفتار ہو گئے ۔

ان گرفتار شدگان میں ایک تو مشہور لیڈر اور سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے

جنرل سیکرٹری ہرمندر سنگھ سندھو کا بھائی اپکار سنگھ سندھو ہے دوسرا انتہا پسند بخشیش سنگھ نامی ایک مفرور سکھ لیڈر ہے ان کا تیسرا ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

ان لوگوں کی گرفتاری کے واقعات بھی خاصے مضحکہ خیز بیان کیے گئے ہیں اخبارات نے یہ موشگافی کی ہے کہ یہ لوگ پاکستان میں داخل ہو رہے تھے کہ جب انہیں گرفتار کرلیا گیا۔

اس خبر میں یہ وضاحت بالکل نہیں کی گئی کہ انتہا پسند کیا یہ "بھارتی کارتوس" بھی پاکستان سے چوری کر کے بھارت میں لا رہے تھے؟ معمول کی خبروں کے مطابق ان لوگوں سے بھی بے تحاشا اسلحہ اور گولہ بارود برآمد ہوا تھا۔

اب بھارتی اخبارات ایک خاص پلان کے تحت اس من گھڑت واقعہ کی کڑیاں مسز اندرا گاندھی کے قتل سے ملا رہے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ سکھوں کے قتل عام کی طرف بھارتی عوام کا دھیان نہ جائے۔ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ دہلی اور ہر وہ علاقہ جہاں سکھ اقلیت میں آباد ہیں۔ سکھوں کا مرگھٹ بن کر رہ گیا ہے۔ انھیں چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے اور اس "کارخیر" میں بھارتی نیم فوجی دستے اور پولیس ہر طرح حملہ آوروں کی مدد کر رہی ہے۔

سکھوں کے ساتھ ایسا بہیمانہ اور سفاکانہ سلوک کیا جارہا ہے کہ وہ خود ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام بھولنے لگے ہیں۔ قاتلوں اور لٹیروں کو پولیس کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔

سکھوں کو ان کے گھروں اور گوردواروں سمیت جلا کر راکھ کا ڈھیر بنایا جارہا ہے۔ وہ پناہ لینے پولیس کے پاس آتے ہیں یا ہسپتالوں اور مذہبی مقامات

کا رُخ کرتے ہیں تو پولیس انہیں پکڑ کر بلوائیوں کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔

غیر ملکی پریس نے سکھوں پہ ٹوٹنے والی قیامت کا جو نقشہ کھینچا ہے الفاظ میں اس کا بیان ممکن نہیں.... لیکن اس سب کچھ کے باوجود بھارت سرکار دنیا کو یہی تاثر دے گی کہ ان کی عظیم لیڈر اہنسا، امن اور شانتی کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔

اس اہنسا اور شانتی کی آڑ میں کیا کیا گھناؤنے کھیل کھیلے جارہے ہیں تصویر کے اس رُخ کو پاکستانی عوام کو کم از کم نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس بات کا شدید خطرہ موجود ہے کہ ہندو بلوائی جن کے منہ خون بہت پہلے لگ چکا ہے سکھوں سے نبٹنے کے بعد مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوں گے اور اپنے دیرینہ خواب "اکھنڈ بھارت" پہ عمل پیرا ہوں گے۔

اس ضمن میں ہندو انتہا پسند لیڈروں کے وہ بیانات بھی قابل توجہ ہیں جو پچھلے ڈیڑھ دو سال سے بڑے تواتر سے سامنے آرہے ہیں۔ ان بیانات میں ان ہندو لیڈروں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ مسلمان بھارت کے لیے کینسر کی طرح خطرناک ہیں یا تو وہ پاکستان چلے جائیں یا پھر ہندومت اختیار کرلیں۔

اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے یہ ہرزہ سرائی بھی کی ہے کہ بھارت میں موجود بڑی بڑی مساجد کو مندروں میں (نعوذ باللہ) تبدیل کر دیا جائے۔ دوستی کی یہ یک طرفہ ٹریفک جو پاکستان نے بڑے خلوص سے چلا رکھی ہے دیکھیے کب تک جاری رہتی ہے۔

"سب اچھا"

جون ۱۹۸۴ء میں بھارتی فوج کے بہیمانہ "اپریشن بلیوسٹار" کے بعد سکھوں میں غم و غصہ اور نفرت کی جو ایک لہر ایک دم دوڑی تھی اور جس کے نتیجے میں بھارت کی سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو ایک اذیت ناک موت سے دوچار ہونا پڑا ا بھارتی ذرائع ابلاغ کے مطابق اب وہ لہر واپس لوٹ رہی ہے اور حالات نار ہوتے جا رہے ہیں۔ بھارت سرکار کے بے بنیاد دعوؤں کے مطابق حالات اتنے نارمل ہو گئے ہیں کہ اب اندرا گاندھی کی موت کے بعد سکھوں کا جو قتل عام سا بھارت میں ہوا تھا اس کے متاثرین جو اپنی جانیں بچا کر کسی نہ کسی طرح مشرقی پنجاب میں پہنچ گئے تھے واپس لوٹنا شروع ہو گئے ہیں۔ لونگووال تلونڈی ٹوہرہ اور پرکاش سنگھ بادل ایسے چوٹی کے سکھ لیڈر رہا کر دیے گئے ہیں۔

یہ تمام باتیں بقول بھارت سرکار اس امر کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے کافی ہیں کہ مشرقی پنجاب میں "سب اچھا" ہے لیکن جب پنجاب کے موجودہ گورنر ارجن سنگھ سے جو بھارت سرکار کی نظر میں "کرائسس" پر قابو پانے کے ماہر ہیں اور اس سے پہلے بھی ایک صوبے میں اپنی اس صلاحیت کا لوہا منوا چکے ہیں یہ پوچھا جائے کہ پنجاب میں الیکشن ہونے کا امکان کب تک ہے؟ تو وہ سوال کے جواب میں کسی خاص مدت کا تعین ہی نہیں کر پاتے اور صرف یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ

حالات سدھرتے ہی حکومت الیکشن کروا دے گی۔ حالات کب سدھریں گے؟ جب انڈین ایکسپریس کے نامہ نگار نے پچھلے دنوں چنڈی گڑھ میں ہونے والی ایک پریس کانفرنس میں ان سے پوچھا تو ارجن سنگھ نے خاصے پیچ و تاب کے بعد جواب دیا یہ تو اکالی لیڈرشپ پر منحصر ہے۔ گورنر پنجاب ارجن سنگھ کا کہنا بالکل بجا ہے کہ بات اکالی لیڈرشپ سے بھی آگے نکل گئی ہے ورنہ ماسٹر تارا سنگھ، سردار بلدیو سنگھ سنت فتح سنگھ اور اس قماش کے دوسرے اکالی لیڈروں کا بھارت میں کبھی کال نہیں پڑا اور جب کبھی ایسا موقعہ آیا کہ سکھوں نے سر اٹھایا من حیث القوم اپنے تشخص کا ادراک حاصل کرنے کی کوشش کی ہندو سرکار نے فوراً اکالی دل کی طرف رجوع کیا اپنی پسندیدہ اور حق نمک ادا کرنے والی لیڈرشپ کے سامنے اقتدار اور زر کی ہڈی پھینک کر معاملے کو وہیں سنبھال لیا یا دبا دیا نوجوان سکھ نسل کی صورت میں خطرے کی جو تلوار اکالی لیڈرشپ کے سر پر لٹک رہی ہے اسے نظر انداز کر کے کوئی بھی فیصلہ کر لینا اکالیوں کے بس کی بات نہیں رہی اگر نوجوان سکھ نسل جس نے اب آزاد خالصتان کے حصول کے لیے مر مٹنے کا تہیہ کر رکھا ہے اپنے مذہب کی مقدس ترین شخصیات پانچ پیاروں میں سے ایک پیارے پر قاتلانہ حملہ کر سکتی ہے محض اس وجہ سے کہ اس پر بھارت نواز ہونے کا شک تھا تو کسی عام سکھ لیڈر کو جس نے سکھ قوم کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی ہو وہ لوگ کس طرح معاف کر دیں گے؟

یہی وجہ ہے کہ تہاڑ جیل میں لونگووال کے پاس مسلسل وفود پہنچنے کے باوجود حکومت اس کے منہ سے اپنی مرضی کے مطابق کوئی بات نہیں اگلوا سکی جیل سے رہائی حاصل کرنے پر ہرچند سنگھ لونگووال نے پہلا بیان یہی دیا تھا "آنندپور صاحب ریزولیوشن سے کم وہ کسی بات پر راضی نہیں ہوں گے۔" لونگووال

نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب کھیل ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور موجودہ فضا میں وہ لوگ اپنی قوم کے مفادات کو بھارت سرکار کی خوشنودی کے لیے قطعاً نظرانداز نہیں کر سکتے۔ جگ دیو سنگھ تلونڈی کے متعلق واقفانِ حال یہی سمجھتے تھے کہ حکومت نے اسے لونگووال کی متبادل لیڈرشپ کے طور پر آگے بڑھایا ہے" آپریشن بلیو سٹار" سے پہلے تک تو یہ بات عام تھی کہ جتھے دار تلونڈی بہر صورت لونگووال کی جگہ اکالی دل کی پردھانگی سنبھال لے گا لیکن سردار تلونڈی نے بھی اپنی رہائی پر پہلا بیان ہی ایسا دیا کہ خود بھارت سرکار بھی شاید چکرا کر رہ گئی ہو۔ جتھیدار تلونڈی نے کہا "اب بات آنند پور صاحب ریزولیوشن سے بہت آگے جا چکی ہے اور ان حالات میں کسی سکھ لیڈر کے لیے اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ اس سرگرمی اور جوش کے ساتھ حکومت کا اپنی طرف بڑھا مفاہمت کا ہاتھ پکڑ لے جس جذبے اور جوش کا مظاہرہ اب بھارت سرکار کر رہی ہے۔" تلونڈی جیسے کانگریس پسند لیڈر کے خیالات میں اتنے زبردست انقلاب کو بھارت ہی نہیں دنیا بھر کے سیاسی حلقوں میں زبردست اہمیت دی جا رہی ہے اور بالکل وہی صورتِ حال پیش آئی ہے جو کبھی سنت بھنڈرانوالہ کی صورت میں بھارت سرکار کو پیش آئی تھی یاد رہے کہ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کو بھی بھارت سرکار نے ہمیشہ گیانی ذیل سنگھ کا خاص آدمی اور اکالی دل کا دشمن سمجھتا تھا لیکن سنت بھنڈرانوالہ کے متعلق بھارت سرکار کے اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ پرکاش سنگھ بادل جو پنجاب کے سابق اکالی وزیر اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں کہ بھارتی حکومت نے آخر میں رہا کیا اور بادل نے رہا ہوتے ہی یہ بیان داغ کر بھارت سرکار کے ہاتھوں کے طوطے اُڑا دیے کہ حکومت نے خالصتان کے خواب کو حقیقت کا روپ دے دیا ہے گو کہ اکالی دل نے کبھی "آزاد ملک"

کا مطالبہ نہیں کیا لیکن حکومت نے اگر ہمیں خالصتان دینے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو ہمیں اس میں کیا عار ہے؟ یہ تو تھے اکالی دل کے چوٹی کے تین لیڈروں کے بیانات اب آئیے ذرا پنجاب کی موجودہ صورتِ حال کا جائزہ بھی لے لیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۳ ڈویژن فوج اس وقت مشرقی پنجاب میں موجود ہے۔ پیراملٹری فورسز جن میں پولیس سنٹرل ریزرو پولیس فورس بارڈر سیکورٹی فورس اور مختلف خفیہ ایجنسیوں کی فوج ظفر موج اس کے سوا ہے۔ اگر اس فوج کو بھی شمار کر لیا جائے تو نیم فوجی دستوں سمیت مسلح سرکاری افراد کی تعداد قریباً ۵ ڈویژن ہو جاتی ہے۔

بھارتی فوج کا ایک ڈویژن قریباً ۲۲ تا ۲۵ ہزار جوانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ کیونکہ بھارت اپنی فطرت کے عین مطابق اس معاملے میں بھی دنیا کو دھوکا دیتا آیا ہے۔ عموماً ایک ڈویژن ۳ بریگیڈ پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر بریگیڈ میں ۳ بٹالین رکھی جاتی ہیں جب کہ بھارت میں ایک ڈویژن میں ۵ بریگیڈ رکھے جاتے ہیں اور ہر بریگیڈ میں ۳ تا ۵ بٹالین رکھی جاتی ہیں۔ محتاط ترین اندازے کے مطابق بھی ایک بھارتی ڈویژن میں کم از کم ۲۳ ہزار جوان ضرور ہوتے ہیں اس طرح فوجی اور نیم فوجی دستے ملا کر بھارتی پنجاب میں اس وقت قریباً سوا لاکھ بھارتی مسلح فوج موجود ہے۔ یہ تو وہ فوج ہے جو پنجاب کے شہروں میں مستقل قیام پذیر رہتی ہے، وہ ڈویژن اس کے علاوہ ہیں جو بھارت سرکار نے اپنی "امن پسندی" کے نام پر پاکستانی سرحد کے ساتھ ساتھ پھیلا رکھے ہیں۔ مشرقی پنجاب کی آبادی اندازاً ڈھائی کروڑ ہے۔ جس میں قریباً ایک کروڑ ہندو آبادی اور باقی سکھ آبادی ہے ایک کروڑ ہندو آبادی میں دوسرے مذاہب کے لوگ بھی شامل ہیں۔ اس طرح ڈیڑھ کروڑ سکھوں کے لیے سوا لاکھ مسلح فوج اور کم از کم ۵۰ ہزار آر۔ آر۔ ایس شیو سینا اور

اس قماش کی دوسری ہندو فرقہ پرست جماعتوں کے تربیت یافتہ اور تقریباً مسلح ہند
موجود ہیں۔ اس ٹڈی دل کی موجودگی میں بھی ۳ر جون ۸۴ء سے آج تک سکھوں
اپنی سرگرمیاں کبھی نرم نہیں پڑنے دیں آئے روز کوئی نہ کوئی اہم شخصیت ان کا نشا
بنتی رہتی ہے۔ اس سلسلے میں سکھ قیادت میں ہونے والی حالیہ تبدیلیاں اور سکھو
طرف سے دھماکوں کا تازہ سلسلہ بھی پیش نظر ہے۔

سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے والد سردار جوگندر سنگھ کی طرف سے اکالی
کی لیڈرشپ پر حملہ اور پھر انتہا پسندوں کا اکالی دل پر کنٹرول حاصل کرنے کے فو
ہی بعد سکھوں نے "ٹرانسسٹر بم" کی مہم شروع کر دی ہے۔ یہ بم بڑی ہوشیاری
سے ٹرانسسٹر ریڈیو میں رکھے جاتے ہیں اور جیسے ہی ان کا سوئچ گھمایا جائے ایک
تباہی گھمانے والے کا مقدر بن جاتی ہے۔ بموں سے کیے جانے والے دھماکوں کے
سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ دھماکے بھی زیادہ تر مشرقی پنجاب سے
باہر کیے گئے ہیں اور ہنوز ان کا سلسلہ جاری ہے۔

انتہا پسند سکھوں کے دھماکوں کا سلسلہ اب مشرقی پنجاب میں بھی شروع ہو
چکا ہے اور لدھیانہ، ہوشیار پور، پٹیالہ، جالندھر اور امرتسر میں ایسی کئی اکا دکا وا
ان کی طرف سے ہو چکی ہیں۔ کئی جگہ تو یہ دھماکے بڑی سطح پر کیے گئے اور انتہا
پسندوں نے ریلوے، بجلی اور پانی کی تنصیبات کو زبردست نقصان پہنچایا ہے
یہ سب کچھ ان حالات میں کیا جا رہا ہے جب مشرقی پنجاب کے ہر شہر اور گاؤں کے
چوراہے پر بھارتی فوج مورچہ بند ہو کر بیٹھی ہوئی ہے۔ اکثر شہروں میں وقفے وقفے
سے کرفیو لگتا رہتا ہے۔ مختلف نوعیت کی سواریوں کو مخصوص اوقات ہی میں
چلانے اور ان پر سفر کرنے کی اجازت ہے۔ کوئی غیر ملکی مشرقی پنجاب میں داخل
نہیں ہو سکتا۔ اس سب کچھ کے بعد بھی بھارت سرکار "سب اچھا" کی رٹ لگا

پڑی ہوئی ہے تو اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے بھارت سرکار کی ہمیشہ
سے اپنائی جانے والی یہ پالیسی "جھوٹ اتنا زیادہ بولو کہ اصلیت کا دنیا کو علم ہی
نہ ہونے پائے۔

○

وسن سنگھ ظفروال کہتے ہیں

تخریب کار ہم ہیں یا وہ؟

فیصلہ آپ کیجیے

وسن سنگھ ظفروال خالصتان کمانڈو فورس کا چیف جنرل اور پہلی پنتھک کمیٹی کا ممبر ہے۔ اس پنتھک کمیٹی نے دربار صاحب امرتسر میں خالصتان کی آزادی کا باقاعدہ اعلان کیا تھا۔ ظفروال کے متعلق مختلف افواہیں جنم لیتی رہتی ہیں اور مقامی اور بین الاقوامی پریس میں اس کا نام مختلف حوالوں سے سامنے آتا ہے۔ بھارتی حکومت نے اس کے سر کی قیمت ایک لاکھ مقرر کی ہے۔ درج ذیل انٹرویو گورمکھی سے ترجمہ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ظفروال کا تازہ ترین انٹرویو اور بھارت میں کسی خفیہ مقام پر لیا گیا ہے۔

سوال: آپ لوگ کس بنیاد پر دنیا کی ایک بڑی جمہوری حکومت کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں جب کہ بھارت میں اور بھی بہت سی اقلیتیں آباد ہیں۔ انھوں نے آخر ہتھیار کیوں نہیں اٹھائے؟

جواب: آج کی دنیا میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت مُسلّم ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا دیا جائے۔ اس سے پہلے کہ میں آپ

کی بات کا جواب دوں میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ بھارتی حکومت نے کیونکہ بین الاقوامی پریس میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کر رکھا ہے اس لیے وہ اپنے مطلب اور مرضی کا پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں شاید اس پراپیگنڈے کا اثر ہے کہ آپ نے بھارتی متعصب حکومت کے لیے جمہوریت کا لفظ استعمال کیا ہے میرے خیال سے بھارت کو جمہوری ملک کہنا جمہوریت کو گالی دینے کے مترادف ہے جمہوریت پسندی کا یہ عالم ہے کہ دوسرے صوبوں میں بننے والی کسی بھی کانگریس مخالف پارٹی کی حکومت کا وجود برداشت نہیں کیا جاتا اگر آپ کو کہیں کانگرس کے علاوہ کسی پارٹی کی صوبائی حکومت نظر آتی ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ٹوڈی حکومتیں ہیں حال ہی میں اپوزیشن کی طرف سے کانگریس حکومت کی جمہوریت کا پول جس طرح بھارتی مرکزی اسمبلی میں کھولا گیا ہے اس پر تو ہر ذی شعور کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جہاں تک اقلیتوں کے ساتھ اس نام نہاد سیکولر حکومت کے سلوک کا تعلق ہے وہ آپ ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہیومن رائٹس کمیشن اور دنیا کے دیگر ممالک کی طرف سے بنائے جانے والے غیر جانب دار کمیشن کی رپورٹیں پڑھ کر دیکھ لیں میں ایک ایک کی تفصیلات نہیں دہرا سکتا۔ لیکن ہر رپورٹ نے ہندو کا اصلی چہرہ دنیا کو دکھا دیا ہے کسی نے آنکھیں بند ہی کر رکھی ہوں تو الگ بات ہے۔

کیا میرٹھ کے فسادات پر ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ آپ کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

پنجاب میں آج تک غیر ملکی سفر نہیں کر سکتا اب محدود اجازت ملی ہے تو بھی کوئی اپنی مرضی سے گھوم پھر نہیں سکتا۔ میں آپ کو پنجاب کے صرف دس ایڈریس بتاتا ہوں وہاں جا کر آپ خود انکوائری کر لیں کہ اس حکومت کو جمہوریت سے کوئی دُور کا واسطہ بھی ہے یا نہیں جو مظالم خاص طور سے مسلمانوں اور سکھوں

پر توڑے جا رہے ہیں وہ تو اب روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہو چکے ہیں۔

آپ نے ابھی ایک بات کہی تھی کہ ہمارے علاوہ اور کوئی آخر ہتھیار کیوں نہیں اُٹھاتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کی معلومات پر مجھے افسوس ہو رہا ہے۔ بوڈو، ناگا، میزو، آسامی، گورکھے کیا یہ سب ہندو سامراج پر پھول برسا رہے ہیں۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ انٹرنیشنل پریس نے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اور ہر ملک کا پریس اپنے مفادات کے مطابق ہی کسی آزادی پسند تحریک کو جگہ دیتا ہے لیکن دنیا کی کوئی بھی آزادی پسند تحریک ایسے سہاروں کی محتاج نہیں ہوتی۔

ہم تخریبی کارروائیاں نہیں کر رہے۔ تخریب کار تو وہ ہیں جو ہمارے بچوں، ماؤں، بہنوں، بزرگوں اور نوجوانوں کا بلا دریغ قتل عام کر رہے ہیں۔ ہمارے گھر اور فصلیں تباہ کر رہے ہیں۔ جنہوں نے ہماری مقدس عبادت گاہ ہر مندر صاحب پر ٹینکوں سے چڑھائی کر دی۔ ہم تخریب کار کیوں ہیں؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ظلم کا مقابلہ بندوق اُٹھا کر کرنا تخریب کاری ہے تو ہمیں یہ الزام بخوشی قبول ہے لیکن اگر آپ یہ اُمید رکھیں کہ ہم بھیڑوں کی طرح اپنے گلے کٹواتے رہیں گے تو یہ سودا ہمیں منظور نہیں۔ ہم نے چالیس سال ہندو کا ظلم بڑے صبر سے برداشت کیا ہے اب ایسا نہیں ہوگا اب ہم گولی کا جواب گولی سے دیں گے۔ خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

سوال: آج کے دور میں یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے آخر مذاکرات کے ذریعے بھی تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے؟

جواب: مذاکرات کے ذریعے یہ مسئلہ ۱۹۴۷ء میں حل ہو گیا تھا جب کانگرس نے سکھوں کے ساتھ صریحاً دھاندلی کی اور جھوٹ بول کر ہمیں مسلم لیگ کے ساتھ تعاون سے روک کے رکھا حالانکہ محمد علی جناح کی طرف سے ماسٹر تارا سنگھ کو جو آفر

دی گئی تھی اگر وہ قبول کر لی جاتی تو کبھی یہ مسئلہ ہی سر نہ اُٹھاتا اور نہ ہی پنجاب کی اس طرح غیر منصفانہ تقسیم ہوتی اب آدھا پنجاب جو ہمیں ملا اس کے بھی ہندو نے تین ٹکڑے کر کے رکھ دیے۔

آپ اس دور کی کانگرس اور اکالی دل کے درمیان ہونے والے معاہدوں کی دستاویز دیکھ لیں کہ ان لوگوں نے سکھوں کو آزاد مملکت دینے کا وعدہ نہیں کیا۔ یہی وعدہ ہمارے اور ہندو کے درمیان تعاون کی بنیاد تھا۔ ہم نے چالیس سال یہی انتظار کیا کہ یہ وعدہ پورا کر دیا جائے لیکن ہندو نے ہمیں حکومت تو کیا دینی تھی وہ ہمارا تشخص ہی تباہ کرنے پر تُل گیا اور ایک قانون کے ذریعے سکھوں کی بجائے ہمیں ہندو بنا دیا گیا۔ اب اور کون سے مذاکرات ہوں گے۔ ایک طے شدہ بات ہے کہ ہمیں اپنی مرضی سے زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔ اس میں کوئی دہشت گردی نہیں کوئی غنڈہ گردی نہیں۔ بھارت کی آزادی میں ہماری قربانیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

آپ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ آزادی کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں کس قوم نے دی تھیں؟ ہم نے اور سب سے زیادہ ظلم آزادی کے بعد بھی ہم پر ہوا ہے اب بھی ہو رہا ہے ہم نے کبھی نہیں کہا کہ مذاکرات کے ذریعے مسئلے کو حل نہ کریں لیکن بجائے اس کے کہ ہماری بات کو سمجھا جائے ہمارا گلہ دبانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے ہماری تحریک ہمیشہ پُرامن رہی۔ ہم نے پُرامن مورچے لگائے سڑکوں پر احتجاج کیا۔ گرفتاریاں دیں۔ یہی طریقہ ہوتا ہے مہذب دنیا میں اپنی بات منوانے کا۔ اس کے جواب میں بھارتی پولیس نے ہم پر گولیاں برسائیں اور حکومت نے بجائے ہماری بات سننے کے ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا۔

سوال: اکالی دل آپ کی سیاسی جماعت ہے آخر وہ لوگ بھی تو پرامن جدوجہد

کر رہے ہیں ؟

جواب : یہ کہنا غلط ہے کہ آج ۱۹۸۹ء میں اکالی دل ہماری نمائندہ جماعت ہم اس کے ہاتھوں ۱۹۴۷ء اور اس کے بعد بھی متعدد مرتبہ زخم کھا چکے ہیں اکالی شپ نے سوائے جھوٹ بول کر قوم کو مطمئن کرنے اور خود کرسیاں حاصل کرنے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ ہمارے مذہب کے مطابق اکال تخت کو مسما کرنے والی کسی بھی حکومت سے سودے بازی کرنا کفر کے مترادف ہے جب اکالیوں نے ہر نازک موقع پر قوم کو دھوکہ دیا اب بھی ان لوگوں نے سکھ قوم کے خو کو فروخت کر کے وزارتیں حاصل کی تھیں لیکن آپ نے دیکھ لیا وہ بات بھی سر نہ چڑھ سکی۔ ان کی وزارتیں بھی چھن گئیں لیکن عقل نہیں آئی۔ اتنے جوتے کھا کر بھی یہ لوگ ہندو سے انصاف کی توقع رکھتے ہیں جو احمق کے خواب والی با ہے۔

آج کا سکھ ۴۷ء والا سکھ نہیں رہا نہ ہی سکھ آج اکالی دل کو اپنی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے۔ ہم ان قوم فروشوں کو سودے بازی کا حق ہرگز نہیں دیں گے اور جس اکالی لیڈر نے ایسا کرنے کی کوشش کی اس کا انجام لونگو وال سے مختلف نہیں ہوگا۔ میں یہ بات صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خالصتان سے کم کسی نے بھی کوئی معاہدہ کیا تو ہم اسے معاف نہیں کریں گے نہ ہی کوئی اس معاہدے کو قبول کرے گا۔

میں یہاں اپنے ان سکھ فوجی بھائیوں سے بھی اپیل کرتا ہوں جنہیں ہندو نے بھاڑے کے ٹٹو بنا رکھا ہے۔ کہ وہ سری لنکا، مالدیپ، افغانستان کسی بھی ملک میں بھارتی حکومت کی ہوس ملک گیری کے لیے استعمال نہ ہوں اور کسی بھی قو کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں۔ آج تک ہندو نے ہمیں اسی طرح بلیک میل کیا ا

اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے سکھوں کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے خواہ پاکستان اور بھارت کی تین جنگیں ہوں یا بھارت کا بھوٹان، سکم پر قبضہ بھارت چین جنگ وغیرہ غرض ہر جگہ سکھوں کو آگے کیا گیا اور انہی کا استحصال بھی ہوا لیکن آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے علم میں یہ بات بھی آئی ہے کہ بھارتی حکومت سکھ فوجیوں کو افغانستان بھیج رہی ہے تاکہ وہ کٹھ پتلی افغان حکومت کے ہاتھ مضبوط کر سکیں اس سے پہلے بھارتی ائر فورس وہاں موجود ہے۔ اور یہ لوگ روس کا خلا پُر کرنا چاہتے ہیں لیکن میں سکھ فوجیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ افغان مجاہدین کے خلاف اسلحہ استعمال نہ کریں نہ ہی ہندو کے آلہ کار بنیں۔ خالصتان جلد یا بدیر قائم ہو کر رہے گا کیونکہ ہم نے اب اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کی ٹھان لی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں دے سکتے کہ شہیدوں کے خون کا سودا کرے اور ان کی قربانیوں پر اپنے اقتدار کا محل بنائے۔

سوال :- کیا معصوم بچوں اور بے گناہ ہندو شہریوں کے قتل عام سے آپ خالصتان حاصل کرنا چاہیں گے ؟

جواب :- اگر کوئی غیر جانب دار کمیٹی یہ ثابت کر دے کہ کسی سکھ تنظیم نے ایک بھی بے گناہ ہندو کو قتل کیا ہے تو میں اس کے لیے سزاوار ہوں۔ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔

کہ معصوم بچوں کو کون قتل کر رہا ہے یہ کارنامہ بھارتی پولیس انجام دے رہی ہے جس کے لیے کئی ثبوت ہم دنیا کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ اس گھناؤنے مقصد کے لیے ہندو سرکار نے خطرناک مجرموں کے گروہ تیار کر رکھے ہیں۔ جن کی طویل سزائیں اس کام کے عوض معاف کی گئی ہیں۔ بھارتی حکومت کی

پشت پناہی سے مجرموں کے یہ گروہ سکھ آزادی پسند تنظیموں کے نام پر دھمکی آم
چٹھیاں لکھ کر ان سے رقم بٹورتے ہیں۔

ہم نے ایسے کئی مجرموں کو سزائیں بھی دی ہیں اور اب بھی ایسے خطرناک لیٹروں پر ہماری نظر ہے۔ ہم انہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ہماری جنگ ہندو سامراج کے خلاف ہے۔ عوام کے خلاف نہیں، کوئی آزادی پسند تحریک عوام الناس کو اپنا دشمن نہیں بنایا کرتی۔ پنجاب کے عوام جانتے ہیں کہ بے گناہ کا قتل عام کون کر رہا ہے اور دھمکی بھری چٹھیاں لکھ کر ان سے کون پیسے بٹورتا ہے۔ اس سے پہلے " تھرڈ ایجنسی " کے نام سے بھارتی حکومت نے ایک خفیہ ایجنسی اس غلیظ مقصد کے لیے قائم کی تھی۔ یہ راز بھی طشت ازبام ہو چکا ہے اور اب بھی بھارتی حکومت کے تربیت یافتہ اور پشت پناہی مجرموں کا ٹولہ جو یہ وارداتیں کر رہا ہے ننگا ہو چکا ہے۔

آپ اندازہ کیجیے کہ یہ حکومت کہاں تک گر سکتی ہے اور سکھوں کو بدنام کرنے کے لیے اور کیسی کیسی حرکتیں نہیں کر سکتی۔

سوال :۔ آپ کو بھارت کے ہمسایہ ملک کی پشت پناہی بھی حاصل ہے ؟

جواب :۔ آپ کی مراد پاکستان سے ہے ؟

سوال :۔ جی ہاں ! ایسا ہی سمجھ لیجیے ؟

جواب :۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کی بات کا جواب دوں مجھے یہ بتائیے کہ اپنے گھر کو جہاں آپ نے پناہ لے رکھی ہو کیا آپ اپنے ہاتھوں تباہ کر سکتے ہیں؟

سوال :۔ نہیں ؟

جواب : پھر آپ کے پریس نے ہی یہ شر انگیز خبریں لگائی ہیں کہ ہم نے پاکستان کو بھی دھمکیاں دی ہیں خصوصاً وزیر اعظم پاکستان کے قتل کا پروگرام

اور پاکستانی سفارتخانے کو ٹیلیفون اور خطوط کے ذریعے دھمکیاں۔ اگر ایک منٹ کے لیے آپ کی بات مان بھی لی جائے تو پھر ایک بات غلط ہو سکتی ہے یا تو آپ اسے بھارتی انٹیلی جنس کی سازش کہیں یا پھر یہ کہیں کہ پاکستان کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوال : آپ ہی بتا دیں کہ صحیح بات کیا ہے ؟

جواب : سچائی یہ ہے کہ بھارتی حکومت اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود پاکستان کو اس معاملے میں ملوث نہیں کر سکی کیونکہ پاکستان ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے اور وہاں کے باشندے اپنی مرضی سے سوچ بھی سکتے ہیں۔ پاکستانی پنجاب میں لوگ ہمارے لیے ہمدردی رکھتے ہیں جو بھارت کے نزدیک ایک ناقابل معافی جرم ہے اور حکومت پاکستانی عوام کی اس ہمدردی کو غلط معنی دینے کے لیے اسے پاکستانی سرکار سے مربوط کرنا چاہتی ہے اس لیے پاکستان پر الزام تراشی کی جاتی رہی ہے

سچائی یہ ہے کہ پاکستان نے اپنے قوانین کے مطابق سکھ ہائی جیکروں کو سخت ترین سزائیں دی ہیں اور ان لوگوں کو کبھی رہا نہیں کیا جا رہا جن کی سزائیں پوری ہو چکی ہیں محض بھارتی حکومت کی خوشنودی کے لیے غیر ممالک یورپ، امریکہ، کینیڈا، وغیرہ میں رہنے والے سکھوں کو پاکستان میں موجود اپنے گوردواروں کی زیارت کے لیے ویزے نہیں دیے جاتے تاکہ بھارتی حکومت کو لب کشائی کا موقعہ نہ مل سکے جب کہ صورتِ حال اس کے برعکس ہے اور اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی ہندو حکومت پاکستان پر الزام تراشی کر رہی ہے۔

پاکستان کے سابق صدر جناب ضیاء الحق صاحب کی شہادت کے بعد اب ہندو نے نئی پالیسی بنائی ہے اور اس معاملے میں پاکستان کو کسی نہ کسی طرح شامل دکھانے کے لیے یہ واویلا شروع کر دیا ہے کہ موجودہ حکومت سکھوں پر سختی کر رہی ہے

جب کہ سابقہ حکومت سکھوں کی حمایت کرتی تھی اسی لیے سکھوں نے موجودہ پاکستانی سرکار کو دھمکیاں دینی شروع کر دی ہیں اس طرح مکار ہندو دراصل یہ چاہتا ہے کہ اس چکر میں کم ازکم موجودہ پاکستانی سرکار سے اس بات کا اعتراف کروا لے کہ ہم تو سکھوں کی مدد نہیں کرتے جب کہ مرحوم ضیاء الحق ایسا کرتے تھے۔ اس گھٹیا حرکت کا اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں کہ کسی نہ کسی طرح سکھوں کے معاملے میں پاکستان کا ملوث ہونا ثابت کیا جا سکے۔ دوسرا مقصد اس حرکت کا یہ ہے کہ مسلمان جو خدا خوفی کی وجہ سے اپنے دل میں ہمارے لیے ہمدردی رکھتے ہیں اسے ختم کیا جا سکے۔ حالانکہ دونوں جگہ اسے منہ کی کھانی پڑے گی۔ ہم ہندو سرکار سے کہتے ہیں کہ ہمارا مقابلہ میدانِ جنگ میں کرے ایسے ہتھکنڈوں سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ ۴۳ سال میں پاکستانی قوم نے بھی ہندو کی اصلیت کو پہچان لیا ہے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ بھارت میں بسنے والے مسلمان پر ہندو کتنا ظلم کر رہا ہے یہ الگ بات ہے کہ مسلمان بے چارہ مجبور اور بے بس ہے پھر بھی وہ احتجاج کرتے ہیں اور دیگر اقلیتیں بھی اپنی ہمت کے مطابق ہندو کے مظالم کا سامنا کر رہی ہیں۔

میں یہاں پاکستانی وزیر اعظم سے جو سارک ممالک کی چیئرمین بھی ہیں، یہ اپیل کروں گا کہ وہ بھارت کی اس زیادتی کا نوٹس لیں۔ حال ہی میں نیپال کی اقتصادی ناکہ بندی بھارت کا تازہ اقدام ہے جس کا مطلب ہمسایہ ممالک پر نفسیاتی دباؤ ڈالتے رہنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہی سلوک بھارت اپنے ہاں بسنے والی اقلیتوں خصوصاً سکھوں اور مسلمانوں کے ساتھ بھی کر رہا ہے۔ آپ جب بھی چاہیں کسی غیر جانبدار کمیٹی کے ذریعے اس کی انکوائری کروا لیں کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟

سوال: کہا جاتا ہے کہ آپ لوگ آپس میں ایک دوسرے گروپ کے خلاف

سرگرم رہتے ہیں اور کئی خالصتان نواز سکھ آپ لوگوں کی آپس کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔

جواب: یہ بھی اسی پراپیگنڈے کا حصہ ہے جس کی میں نے ابھی بات کی ہے۔ ایک تو اصولی بات خالصتان کی آزادی کے لیے سرگرم عمل تمام سکھ جتھے بندیوں میں طے پا چکی ہے کہ ہم لوگ اپنی مذہبی روایات کے مطابق پنتھک کمیٹی کی زیر کمان ہی لڑائی لڑیں گے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دو کمیٹیاں بن چکی ہیں لیکن ہم ایک دوسرے کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ دونوں کمیٹیوں سے منسلک جتھے بندیاں اپنی ہائی کمان کے احکامات کے مطابق ہی کارروائی کرتی ہیں۔ جہاں تک آپ کے اس الزام کا تعلق ہے تو ایک بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حکومت کے ہم رشتہ دار تو نہیں ہیں کہ وہ ہمیں کھلا چھوڑ دے گی کہ ہم من مانی کرتے پھریں ظاہر ہے ہمارے خلاف ہندو سرکار بھی ہر حربہ آزماتی ہے اس نے اپنے آدمی بھی ہم میں داخل کیے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے ہاتھوں ہمارا کافی نقصان بھی ہوتا رہا ہے اب بھی ہو رہا ہے۔ ایک بات تو ہم نے ٹھان رکھی ہے کہ ہم کسی سرکاری ٹاؤٹ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے جب کسی کے خلاف یہ ثبوت مل جائے کہ یہ حکومت کا آدمی ہے تو ہم اسے ضرور سزا دیتے ہیں اب یہ کہنا کہ وہ ہمارا ساتھی تھا میرے خیال میں غلط بات ہے اس کے علاوہ ہم کسی پر حملہ نہیں کرتے جب کبھی کسی غدار کو مارا جاتا ہے تو حکومت پراپیگنڈہ کرنے لگتی ہے کہ ہم نے آپس کی لڑائی میں اپنے ساتھی کو مار دیا حالانکہ یہ آپس کی لڑائی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو ظالم ہندو سرکار کے خلاف ہماری لڑائی کا ایک حصہ ہے۔"

یہ ہماری اور ہندو کی جنگ ہے درمیان میں کسی کو مت لائیے

مذاکرات کا وقت گزر گیا

اَب کوئی ماسٹر تارا سنگھ نہیں مِلے گا

جتھے دار تلوندر سنگھ کا تعلق کینیڈا سے ہے۔ جس کو مغربی پریس نے ہمیشہ دہشت کی علامت قرار دیا ہے ۸۶ء میں تباہ ہونے والے ائر انڈیا کے جہاز کی تباہی کا ذمہ دار بھی اس کو سمجھا جاتا ہے گو کہ تلوندر سنگھ اس کیس میں کینیڈا کی عدالت سے بری ہو چکا ہے بھارت کے خلاف دہشت گردی کے مختلف الزامات کے تحت وہ جرمنی میں بھی قید کاٹ چکا ہے۔ کینیڈا میں تلوندر سنگھ پر لکھی گئی کتاب "دی ان ہولی ٹیرر" میں اسے "کینیڈین بھنڈرانوالہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ انٹرپول اور بھارتی پولیس کو وہ تخریب کاری کی متعدد وارداتوں میں مطلوب ہے۔ اپریل ۸۸ء میں ایک روز ببر تلوندر سنگھ کینیڈین سیکورٹی اور انٹرپول کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہو گیا۔ جس پر بھارت میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے لیے پاک بھارت سرحد پر ۳۵ ہزار بی ایس

ایف کی خصوصی نفری مقرر کی گئی کیونکہ بھارتی حکومت کو شک تھا کہ وہ پاکستان کے راستے بھارت میں داخل ہو گا لیکن ایک جعلی پاسپورٹ کے ذریعے بھارتی ائر لائنز کے ایک جہاز کے ذریعے اس نے بھارت میں داخل ہو کر دنیا کو چونکا کر رکھ دیا۔

حال ہی میں پہلی مرتبہ ایک لمبی مدت کے بعد اس کا ایک انٹرویو دنیا کے مختلف اخبارات میں شائع ہوا ہے جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سوال: آپ پر یہ الزام ہے کہ آپ انڈین ائر لائنز کے جہاز کو تباہ کرنے کی سازش میں ملوث ہیں اور اس کیس میں نئی صورت حال سامنے آنے پر اب اپنی جان بچانے کے لیے فرار ہو کر بھارت آئے ہیں؟

جواب: حیرت ہے آپ کو یہ بھی علم نہیں کہ کینیڈا سرکار مجھے ان الزامات سے بری الذمہ قرار دے چکی ہے اور میرے خلاف اب کینیڈا میں کوئی کیس بھی درج نہیں ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ میں فرار ہو کر یا جان بچانے کے لیے بھارت آیا ہوں۔

سوال: کچھ خفیہ شہادتیں آپ کے خلاف ملنے کی بات سننے میں آئی ہے؟

جواب: آپ کو شاید علم نہیں وہاں کچھ خفیہ نہیں ہوتا۔ عدالت میں میرے وکیل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میرا گھر، میرا دفتر، میری گاڑی، میرے عزیزوں، رشتہ داروں کے گھر حکومت نے "بگ" کر رکھے تھے۔ میری ایک ایک لمحے کی نقل و حرکت کو نوٹ کیا جا رہا تھا۔ ان حالات میں خفیہ کیا رہ سکتا تھا؟ مجھے تو سمجھ نہیں آتی ممکن ہے آپ کو کسی بات کا علم رہا ہو ایک بات جسے آپ خفیہ

سمجھ لیں یا ظاہر سمجھ لیں وہ یہ ہے کہ بھارتی حکومت ضد در ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور کینیڈا سرکار پر ہر ممکن ذریعے سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ مجھے گرفتار کر کے بھارت کے حوالے کر دیا جائے۔ ایسا صرف میرے لیے نہیں امریکہ، کینیڈا، انگلینڈ، جرمن اور دنیا کے دیگر ممالک میں رہنے والے بہت سے سکھوں کو ان حالات کا سامنا ہے۔ لیکن مہذب ممالک میں بھارت کی طرح جنگل کا قانون نہیں چلتا کہ جس کو دل چاہے سزا دے لو وہاں اپنی بات کو ثابت کرنا پڑتا ہے اس سلسلے میں بھارت کو ابھی تک تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے اس کے بعد کا مجھے علم نہیں۔

سوال : گویا آپ یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ایک امن پسند شہری ہیں اور یہاں بھی امن کا پرچار کرنے آئے ہیں اور غیر ممالک اور بھارت کے اخبارات میں آپ کے خلاف جو خبریں شائع ہوتی ہیں وہ غلط ہیں؟

جواب : دنیا کا ہر سکھ امن پسند ہے جنگ سے کسی کو محبت نہیں ہوتی کوئی نہیں چاہتا کہ اپنا گھر بار پھونک کر ہتھیار اُٹھا لے لیکن حالات انسان کو بہت کچھ کرنے اور سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے مجھے بھارت سے اپنے مظلوم بھائی بہنوں کے پیغامات ملتے رہے کہ میں یہاں آ کر میدان عمل میں اتروں۔ کسی غیرت مند سکھ کے لیے اب یہ ممکن نہیں کہ ہر مندر صاحب کی تباہی اور اپنی ماؤں بہنوں، بیٹیوں کی بے حرمتی کے بعد خاموش بیٹھا رہے۔ میری قوم کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ آپ نہیں جانتے؟ دنیا نہیں جانتی۔ کیا اس صدی میں انسانی بہیمیت کا اس سے بڑا نظارہ بھی کسی نے کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہندو نے ہزاروں سال پُرانی وحشت بربریت کی داستان دہرائی ہے اور سڑکوں پر سکھوں کو زندہ جلا کر ان کی تڑپ کا تماشا دیکھا گیا ہے۔ یہ سب کچھ بین الاقوامی پریس کے سامنے ہے۔ اس کے بعد کم از کم کوئی سکھ جس میں غیرت نام کی شے باقی ہے

خاموش نہیں رہ سکتا امن پسندی کا مطلب بزدلی نہیں ہے۔ ہم دنیا کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ دہشت گرد ہم نہیں بھارتی حکومت ہے۔ راجیو گاندھی ہے جس نے ہمارے ۵۰ ہزار سے زائد بے گناہ لوگوں کا خون کیا ہے۔ کیا ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اپنے حقوق کے لیے اپنے بچاؤ کے لیے ہتھیار اُٹھائیں؟ اگر آپ اس کے بعد بھی ہمیں دہشت گرد سمجھتے ہیں تو میں آپ کی عقل پر ماتم ہی کر سکتا ہوں۔

سوال : آپ پاکستان کے راستے بھارت داخل ہوئے ہیں؟

جواب : ایک ہندو اخبار کے نامہ نگار ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ جب دل چاہے پاکستان پر الزام لگا دیا کریں یہ ہندو کی عادت ہے کہ وہ اپنی بزدلی کا غصہ ہمسائے پر نکالتا ہے۔ یہ میرا پاسپورٹ دیکھ لیں اس پر کس ائرپورٹ کی سٹمپ لگی ہے۔ بمبئی کی، میں بمبئی ائرپورٹ کے راستے بھارتی ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بھارت آیا ہوں اور ان کے ۳۰ ہزار بی ایس ایف مجھے پاکستان کی سرحد پر تلاش کرتے رہے۔ اب جب کہ میں یہاں پہنچ چکا ہوں تو پاکستان پر الزام لگایا جا رہا ہے ہمت ہے تو مجھے گرفتار کر لو۔ یہ ہماری اور ہندو کی جنگ ہے کسی دوسرے کو درمیان میں لا کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ٹھیک نہیں۔ یہ تو بھارتی حکومت کی عادت ہے کہ جس معاملے میں اسے زک اٹھانا پڑے اسے پاکستان سے منسوب کر دیا۔ آپ اخبار نویس ہیں اور اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ پاکستان نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ہائی جیکروں کا معاملہ ہی لیجیے عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد اگر بھارتی یہی پراپیگنڈہ کرتے رہیں تو ان کی عقل پر رویا ہی جا سکتا ہے۔ حالانکہ آج تک وہ پاکستان اور خالصتانی سکھوں کی کوئی ملی بھگت ثابت نہیں کر سکے۔

سوال : یہ جو اسلحہ آپ کے پاس نظر آ رہا ہے کیا یہ پاکستان آپ کو نہیں

دیتا؟ اور کون دیتا ہے؟

جواب: آپ نے ایسا اسلحہ کتنا اور کہاں لینا ہے؟

مجھ سے بات کیجیے میں آپ کو اس جگہ بیٹھ کر ایک لاکھ سے ایک ارب روپے تک کا اسلحہ یا جتنا اور جیسا اسلحہ آپ چاہیں بھارت میں دلوا سکتا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی آپ لوگوں کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ اسلحے کی بین الاقوامی مارکیٹ ہے جہاں سے سب کو ہر قسم کا اسلحہ مل سکتا ہے۔ اس وقت یہ دنیا کا سب سے بڑا بزنس ہے اور آپ نے پاکستان کی رٹ لگا رکھی ہے۔ کیا تامل گوریلوں کو، آسامیوں کو، میزورام کو، نکسل باڑیوں سب کو پاکستان اسلحہ دے رہا ہے دنیا میں درجنوں آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں کیا ان سب کو پاکستان اسلحہ دے رہا ہے۔ پنڈت جی مہاراج وہ بات کریں جس کی کوئی دلیل ہو اب ہوا میں تیر چلانے کا زمانہ بیت گیا۔

سوال: چلیے مان لیا یہ اسلحہ آپ نے انٹرنیشنل مارکیٹ سے خرید لیا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس معمولی اسلحے کے بل بوتے پر کیا آپ بھارت کی باقاعدہ اور مضبوط فوج سے لڑ سکتے ہیں؟ یہ تو دیوانے کے خواب والی بات ہے اس کے بجائے آپ اس مسئلے کا کوئی سیاسی حل کیوں نہیں نکالتے اور سرکار سے بات چیت کیوں نہیں کرتے؟

جواب: جہاں تک تو آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا تعلق ہے تو یہ بات بھارت سرکار بھول جائے کہ اس مسئلے کا حل "پورن آزادی" کے سوا اور کچھ ہے۔ ہرگز نہیں اگر بات چیت سے یہ بات حل ہونے والی ہوتی تو ۴۷ سال سے حل ہو جاتی۔ اب معاملہ بہت آگے جا چکا ہے۔ ہم نے ہمیشہ ہندو سے یہی کہا ہے کہ ہمارا حق ہمیں واپس ملنا چاہیے۔ یہ حق ہم سے ایک سازش

کے تحت ۱۵ اگست ۴۷ء کو ہندو نے چھین لیا تھا۔ غضب خدا کا آزادی کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں سکھوں نے دی ہیں۔ سب سے زیادہ پھانسیاں سکھوں کو ملی ہیں۔ قید سکھ ہوئے اور آزادی مل گئی ہندو کو۔ سکھ پھر غلام کا غلام۔ اپنے لیڈروں کے پرانے بیانات پر ایک نظر ڈالیے آپ کو سمجھ آ جائے گی کہ ۴۷ء سے پہلے وہ سکھوں کو کیا سمجھتے تھے اور ۱۵ اگست کے بعد وہ سکھوں کو کیا سمجھنے لگے۔ تاریخ بار بار ہندو کے لیے ماسٹر تارا سنگھ پیدا نہیں کرے گی ایک غدار نے ساری قوم کو ذلت سے دوچار کر دیا۔

سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے ہندو کو خبردار کر دیا تھا کہ وہ اس معاملے کا سیاسی حل نکالے اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگر بھارتی فوج نے دربار صاحب پر حملہ کیا تو خالصتان کی بنیاد رکھ دی جائے گی۔ اب ایسا ہو چکا ہے ہندو اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلا چکا ہے۔ اب کوئی بھی سکھ اگر وہ گورو گوبند سنگھ کا پیروکار ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے ہندو سے مذاکرات کی میز پر صرف ایک ہی بات کر سکتا ہے۔ خالصتان کی بات۔ اس سے نیچے اگر کسی نے کوئی بات کی تو اس کا حشر وہی ہوگا جو ہم اپنے دشمن ہندو کا کر رہے ہیں۔ اس سے کم کوئی بات ہمیں قبول نہیں۔ ہم نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ ہم اب کسی غدار کو زندگی کی مہلت نہیں دیں گے۔ جو ہندو سے تعاون کرے گا وہ ہندو کا ساتھی ہوگا۔ ہمارا نہیں۔ ہمارے پاس اس کے لیے صرف موت ہے موت۔ اس لیے اس بات کا تو سرے سے امکان ہی نہیں رہ جاتا کہ ہم کوئی سودے بازی ہونے دیں گے۔ معاملے کا ایک ہی سیاسی حل ہے۔ خالصتان کی آزادی۔ اگر بھارتی حکومت اقلیتوں کے ساتھ مخلص ہے اور یہ چاہتی ہے کہ مزید خون خرابہ نہ ہو تو اس کا ایک ہی حل ہے کہ ہمیں ہمارا حق خالصتان دیا جائے۔

جہاں تک آپ کی پہلی بات کا تعلق ہے تو یاد رکھیے کہ دنیا میں کوئی بھی آزادی کی تحریک ایسی نہیں جو اپنے مقاصد میں کامیاب نہ رہی ہو۔ دیر تو ہو سکتی ہے لیکن شہیدوں کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ اگر ہم کیلی فورنیا میں بیٹھ کر ۱۹۲۹ میں غدر تحریک شروع کر سکتے ہیں تو آج ہم معمولی اسلحے سے بھارت کی غاصب فوج کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے۔ کیا آپ کے خیال میں دنیا میں بندوق ہی سب سے بڑی سچائی ہے۔ کیا انسانی جذبے کی کوئی قیمت نہیں۔ افغان مجاہدین کی آزادی یا موت اس کی بہترین مثال مجاہدین ہیں۔ جب انہوں نے روس کے خلاف جہاد کیا تو ان کے پاس کیا تھا۔ آج روس کو ذلیل و خوار ہو کر افغانستان سے نکلنا پڑا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر کبھی سکھوں کو افغان مجاہدین کے مقابلے میں دنیا کی دس فیصد حمایت بھی مل جائے تو ہم ایک سال میں خالصتان بنا سکتے ہیں .... ٹھیک ہے آج میڈیا پر ہمارا کنٹرول نہیں ہے اور دنیا تک سچائی نہیں پہنچ رہی لیکن ہمیشہ ایسا نہیں رہے گا۔ ایک روز سچ ظاہر ہو کر رہے گا اور دنیا کی انصاف پسند قوتوں کو ہماری مدد پر مجبور ہونا پڑے گا۔

سوال : آپ ہی بتا دیجیے کہ پھر بھارتی حکومت آپ کے ساتھ کس طرح معاملات طے کرے؟

جواب : یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بھارت سرکار اکالی لیڈرشپ سے اپنی جان چھڑائے اور سکھوں کے حقیقی نمائندوں سے بات کرے۔

سوال : حقیقی نمائندے کون سے ہیں؟

جواب : پنتھک کمیٹی سے۔

سوال : لیکن یہ لوگ تو زیر زمین ہیں حکومت اپنے ہی غداروں کو مذاکرات کی دعوت کیسے دے؟

جواب : پھر وہی بات وہی ضد کیا اپنا حق مانگنا غداری ہے، اس طرح تو آپ کا نہرو، گاندھی، پٹیل سب غدار تھے وہ انگریزوں سے آزادی مانگ رہے تھے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بھارتی حکومت خالصتان دینے کا اعلان کرے اور ہم ہندو کی زبان پر یقین نہیں رکھتے۔ یہ بات چیت دنیا کے کسی بھی اور ملک کے توسط سے ہو سکتی ہے۔ جب ہمیں کوئی بھی دوسری طاقت یقین دلائے گی ہمارے نمائندے اس سے رابطہ کر لیں گے۔ اب بہت خون بہہ چکا ہے میری اب تک کی خاموشی کا غلط مطلب نہ لیا جائے۔ اگر ایسا ابھی تک حکومت نے ہمارے مطالبات نہ مانے تو صورت حال بدل بھی سکتی ہے۔

سوال : کیا مطلب آپ کا؟

جواب : مطلب یہ ہے کہ پھر ہم دہشت پسند بن کر بھی دکھائیں گے۔ اب تک تو مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے رہے ہیں کہ میں نے بھارتی ائرلائن کے جہاز کو تباہ کیا ہے لیکن اگر ہمیں مجبور کیا گیا تو پھر میں ایسا کر کے دکھا دوں گا۔ پھر انڈین ائرلائن کے جہاز سواریوں کے بغیر ہی پرواز کیا کریں گے۔ کوئی ان میں سوار ہوا تو اپنی جان کا خود ذمہ دار ہوگا۔

سوال : یہ تو کھلی دھمکی ہے۔

جواب : آپ اس کا کچھ بھی مطلب نکالیں۔ اگر دنیا نے طاقت کی زبان ہی سمجھنے کا ارادہ کیا ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں یہاں موجود رہوں اور میرے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو کینیڈا میں پریشان کیا جا رہا ہے اگر کچھ کرنا ہے تو میرے ساتھ کرو۔ میدان جنگ میں کرو۔

بھارتی جاسوسی اداروں کے

اندر کی کہانی

"را" اور "آئی بی" کے درون خانہ رازوں کا انکشاف

جاسوسی کا پیشہ بھی اتنا ہی پرانا ہے جتنی خود انسانی تاریخ ۔ ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کو دوسروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق رہا ہے شاید اسی کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ انسان نے ہمیشہ اپنے ہم جنس سے خطرہ محسوس کیا ہے اور خود کو پیش آمدہ خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے پہلے سے پیش بندی کرتا رہا

ہندوستان میں جدید انٹیلی جنس کا تصور برطانوی جاسوسی ادارہ ایم آئی فائیو کی آمد سے ہوا جو دوسری جنگِ عظیم میں قائم کیا گیا ۔ قیام پاکستان کے بعد سے بھارت میں کسی مستحکم اور جدید خطوط پر استوار انٹیلی جنس ایجنسی کی ضرورت شد سے محسوس کی گئی ۔ اس کی ایک وجہ تو اس کا وسیع حدود اربعہ اور دوسری وجہ ہمسائیگی میں پاکستان اور چین کی موجودگی ان دونوں ممالک کے ساتھ بدقسمتی ابتدا ہی سے بھارت کے تعلقات میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی ۔

بھارت کی موجودہ انٹیلی جنس ایجنسیوں میں سی آئی بی اور "را" بجا طور پر دو ایسے ادارے ہیں جن پر بھارت سرکار کی اندرونی اور بیرونی سلامتی کا انحصا

ہے ۔ سی آئی بی اور "را" کی تاریخ ناکامیوں اور کامیابیوں کا امتزاج ہے ۔ کہیں تو ان لوگوں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے ہیں کہ جیمز بانڈ کی فلموں کو مات کر دیا اور کبھی کبھی بڑے اور اہم معاملات میں ان کی کارکردگی صفر رہی ہے ۔

۱۹۷۱ء میں جب پاکستانی فوج ۔ نے مشرقی پاکستان میں کنٹرول سنبھالا تو ۹۰ لاکھ بنگالی بھارت پہنچ گئے ۔ دراصل یہ ایک طے شدہ منصوبہ تھا جس کے تحت خوف اور سیاسی دباؤ کے تحت عوامی لیگ نے "شرنارتھی" بھارت میں دھکیل دیے اس کے ساتھ ہی عوامی لیگ کی طرف سے بھارت کو باضابطہ مداخلت کی دعوت دے دی گئی ۔

جولائی ۱۹۷۱ء میں اصولی طور پر فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ بھارتی افواج مشرقی محاذ پر حملہ آور ہوں لیکن بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل مانک شا نے مسز اندرا گاندھی کو باور کروا دیا کہ دسمبر سے پہلے وہ اپنی افواج کو مشرقی سرحدوں پر منتقل نہیں کر سکتا ۔ اندرا گاندھی جیسے ستم ظریفی حالات نے ہزار سال بعد بدلہ چکانے کا موقعہ دیا تھا اس صورتِ حال پر گڑبڑا کر رہ گئیں ۔ انہوں نے فوراً "را" سے مشاورت کی اور بھارت کی سب سے بہترین انٹیلی جنس ایجنسی نے مسز اندرا گاندھی کو یقین دہانی کروا دی کہ وہ دسمبر تک حالات کو اپنے حق میں سنبھالے رکھیں گے ۔

"را" کے سینئر افسران کی کمیٹی بنا کر انہیں اس معاملے کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں ۔ جنہوں نے سب سے پہلے مشرقی پاکستان سے بھاگ کر آنے والے شرنارتھیوں کی مدد سے "مکتی باہنی" قائم کر دی ۔ مکتی باہنی کی آڑ میں "را" نے بھارتی پیرا ملٹری فورسز مشرقی پاکستان میں داخل کر دیں ۔ ان افواج نے مشرقی پاکستان میں مقامی غداروں کی مدد سے پھیل کر سب سے پہلے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پاکستانی فوج کے ذرائع نقل وحمل منقطع کر دیے۔ پُل اُڑا دیے جو مشرقی پاکستان میں نقل وحرکت کا واحد اور مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مقامی غداروں کی مدد سے پاکستانی فوج سے متعلق انتہائی کارآمد اطلاعات جمع کر کے "را" کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچانا شروع کر دیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ باقاعدہ جنگ کے آغاز سے پہلے ہی بھارت یہ لڑائی جیت چکا تھا۔

انٹیلی جنس بیورو (آئی بی) کو اپنے ایک "ذریعے" سے اطلاع ملی کہ دہلی کے چاندنی چوک میں واقع جماعتِ اسلامی ہند کے دفتر میں ایک نہایت اہم اجلاس ہو رہا ہے جس میں پاکستان کی حمایت میں کچھ اہم فیصلے متوقع ہیں۔ آئی بی نے اس میٹنگ کی کارروائی سے باخبر رہنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کا ارادہ کر لیا۔ جماعت میں موجود اپنے "ذریعے کو" "آئی بی" نے ایک ڈسک نما چھوٹا سا آلہ دے کر کہا کہ اس کو میٹنگ والی جگہ موجود کسی صوفے کے کشن کے نیچے نصب کر دے۔ یہ آواز ریکارڈ کرنے اور نشر کرنے والا انتہائی حساس آلہ تھا میٹنگ والی جگہ سے تقریباً ایک میل فاصلے پر جدید صوتی آلات سے لیس ایک وین کھڑی تھی جس میں آئی بی کا ماہر عملہ جماعت اسلامی کے اس اجلاس میں ہونے والی میٹنگ کی کارروائی جو اس آلے کے ذریعے ان تک پہنچ رہی تھی سُن اور ریکارڈ کر رہا تھا۔

میٹنگ کے اختتام پر تین گھنٹے کی طویل گفتگو پر مبنی کیسٹ آئی بی کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچا دیے گئے جہاں ان کا تجزیہ کرنے کے بعد آئی بی کے ماہرین نے ایک رپورٹ تیار کی اس کام میں تین دن صرف ہو گئے لیکن آئی بی کو اب علم ہو چکا تھا کہ جماعت اسلامی کی لیڈر شپ کس مقام پر کھڑی ہے۔

یہ چند واقعات ہیں جو بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار بڑے فخر سے اپنی

محفلوں میں بیان کرتے ہیں لیکن کچھ ایسے حادثات بھی ان کے ساتھ پیش آ چکے ہیں جنہیں وہ بھول جانا چاہتے ہیں لیکن جو بھلائے نہیں جا سکتے۔

۱۹۸۴ء میں بھارتی حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ دربار صاحب امرتسر کو سکھ حریت پسندوں سے صاف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ انٹیلی جنس بیورو کو یہ فرائض سونپے گئے کہ وہ لوگ اندر کے حالات کی مکمل رپورٹ فراہم کریں۔ آئی بی کی اطلاعات کے مطابق دربار صاحب میں موجود بھنڈرانوالہ کے ساتھیوں کے پاس معمولی ہتھیار تھے اور حکومت سے کہا گیا کہ یہ لوگ مزاحمت کے قابل نہیں ہیں اور معمولی دباؤ کے بعد میدان چھوڑ دیں گے۔

رپورٹ جنرل سندر جی کی میز پر پہنچا دی گئی جس نے اس رپورٹ میں فراہم کردہ اطلاعات کی بنیاد پر فوج کے حملے کی منصوبہ بندی کی اور آپریشن بلیو سٹار ترتیب دیا گیا، آئی بی کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں جو منصوبہ جنرل سندر جی نے بنایا تھا اس کی بنا پر اس نے حکومت کو یقین دہانی کروا دی کہ اس کے ٹروپس پانچ گھنٹوں میں دربار صاحب کو خالی کروا لیں گے اس سے بڑی غلطی جنرل سندر جی نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں کی۔ سندر جی کے جوان دربار صاحب میں داخل ہوئے تو ان پر راکٹوں اور میزائیلوں سے فائرنگ ہونے لگی۔ یہ گولہ باری اندر موجود مورچوں سے کی جا رہی تھی۔ فوج کو دربار صاحب میں داخل ہونے کے لیے جن محفوظ راستوں کی نشاندہی کی گئی تھی وہ انتہائی غیر محفوظ ثابت ہوئے، ایک کالم جب ایسے ہی ایک غیر محفوظ راستے سے داخل ہوا تو شدید فائرنگ کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا، ایک جوان بھی اس تباہی کی داستان سنانے کے لیے زندہ نہ بچ سکا۔ جنرل سندر جی کا ۵ گھنٹے کا پلان پانچ دن میں مکمل ہوا اور دربار صاحب کی تسخیر کے لیے ٹینکوں کی مدد حاصل کرنی پڑی۔

اس کے علاوہ اکال تخت کو بھی مسمار کرنا پڑا۔ سرکاری اطلاعات کے مطابق فوجی اس آپریشن میں مارے گئے جنرل برار جو حملہ آور فوجوں کی کمان کر رہا تھا کہتا ہے:

"ہاں مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہاں انٹیلی جنس نے منہ کی کھائی لندن سے "را" کے ایک ایجنٹ کو اطلاع ملی کہ کشمیر لبریشن فرنٹ کے دو لیڈر کسی اہم مشن پہ پیرس پہنچ رہے ہیں۔ اس نے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ کشمیری حریت پسند کوئی بڑا منصوبہ ترتیب دے رہے ہیں۔ اس نے دہلی اپنے ہیڈ کوارٹر میں "پاکستان ڈیسک" سے کہا کہ فوری طور پر پیرس میں موجود اپنے ایجنٹ سے رابطہ قائم کرکے معلوم کرے کہ اس میٹنگ میں کیا طے پایا اور کیا واقعی کوئی خطرناک منصوبہ زیر بحث آیا ہے؟ معاملات ایک جوائنٹ ڈائریکٹر تک پہنچے جس نے فوری طور پر نتیجہ اخذ کرلیا کہ تین امکانات میں سے ایک بات ممکن ہے۔ ہائی جیکنگ، کسی اہم شخصیت کا اغوا یا پھر کسی اہم شخصیت کا قتل۔

اس نے اپنے ڈائریکٹر کو اس اطلاع کے ساتھ پیغام بھیجا کہ فوری طور پہ وزارت خارجہ سے رابطہ کرکے اسے "ریڈ آلرٹ" سگنل دے دیا جائے ائر انڈیا کو خصوصی سیکورٹی اقدامات اپنانے کا حکم ملا اور دنیا بھر میں موجود بھارتی سفارت کاروں کو چوکنا رہنے کی ہدایت کر دی گئی۔

اس کے دو روز بعد ہی کشمیری حریت پسند متحرک ہو گئے انہوں نے لندن میں بھارتی سفارت کار مہاترے کو اغوا کرکے بالآخر موت کے گھاٹ اتار دیا حالانکہ اس قتل کی کوئی اہم وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن اگر "را" کے ایجنٹ کی اطلاع پر عمل درآمد ذرا سختی سے ہوتا تو عین ممکن تھا مہاترے کی جان بچ جاتی الغرض

کامیابیوں اور ناکامیوں کی یہ ملی جلی کہانیاں ہر طرف گونج رہی ہیں اور بھارتی عوام کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان کے تحفظ کی ذمہ داری کیا "انکل" کے ہاتھوں میں ہے یا پھر وہ "کی سٹون کوپس" سے اپنی توقعات وابستہ رکھیں۔

موجودہ بھارت میں انٹیلی جنس بیورو کا قیام نومبر ۱۹۲۰ء میں سامراج کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ تب یہ سی آئی ڈی ہی کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا ۱۹۳۳ء میں انٹیلی جنس بیورو کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا اور اسے ہندوستانی سرحدوں پر موجودہ ہمسایہ ممالک کی دفاعی اور سیاسی سرگرمیوں سے خبردار رکھنے کی ذمہ داریاں بھی تفویض ہو گئیں۔ اب انٹیلی جنس بیورو ایک طرح سے برٹش انٹیلی جنس ایم آئی فائیو اور ایس آئی ایس کی نوعیت کا ادارہ بن گیا۔ جنگ عظیم میں آئی بی نے برطانوی جاسوسی اداروں کے علاوہ امریکہ کی او ایس ایس امریکن آفس آف سٹریٹجک سروسز جو بعد میں سی آئی اے بنا کے شانہ بشانہ جاسوسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۴۷ء میں انگریز آفیسر چلے گئے تو ایم آئی ۵ اور او ایس ایس کے جو ہندوستانی اعلیٰ آفیسر تھے وہ یہیں موجود رہے اور اصل میں ۴۷ء کے بعد بھارتی انٹیلی جنس کا موجودہ تنظیمی ڈھانچہ انہی لوگوں کا مرہون منت ہے سنجیوی پیلائی آئی بی کے پہلے انڈین ڈائریکٹر نے آئی بی کو ایم آئی ۵ کے اصولوں پر چلانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ نوجوان تازہ فارغ التحصیل گریجوایٹس جو یونیورسٹیوں سے نکلتے اور دیگر اپنے کام میں مہارت تامہ رکھنے والوں کی خطیر معاوضے پہ خدمات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری ہوا۔ پیلائی اور اس کے جانشین بی این ملک نے کوششیں جاری رکھیں کہ آئی بی کو دوسری پولیس فورس نہ بننے دیا جائے۔

بھارتی آئی بی کو موجودہ شکل دینے کا سہرا بی این ملک کے سر بندھتا ہے

جسے بجا طور پر جے ایڈگر ہوور کا ہم پلہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ملک نے آئی بی کی علیحدہ اور منفرد شناخت قائم رکھنے کے لیے اس دور کے وزیراعظم جواہر لال نہرو سے قریبی تعلقات استوار رکھے وہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے جواہر لال نہرو کے قرب وجوار میں رہنے والے وزیروں کے معاملات پر کڑی نظر رکھتا تھا تاکہ حالات سے خود بھی باخبر رہے اور وزیراعظم کو بھی باخبر رکھ سکے ملک نے اس جاسوسی تنظیم کو ایم آئی ۵ کی لائنوں پر چلایا جس کا بنیادی اصول یہی ہے کہ ادارے کے لیے کبھی ڈائریکٹر کی ذات ناگزیر نہیں ہوتی۔ چونکہ آئی بی بھی بھارت کے لیے بیرونی جاسوسی کی انچارج بھی تھی۔ جب بھارت چین تنازعہ شروع ہوا تو نہرو کو ملک سے ہی رابطہ قائم کرنا پڑا۔ یہاں ایک متنازعہ بات کہی جاتی ہے کہ ملک نے چینی افواج کی نقل وحرکت سے متعلق جو اطلاعات بہم پہنچائی تھیں ۱۹۶۲ء کی چین بھارت جنگ نے ثابت کر دیا کہ وہ غلط اور نامکمل تھیں۔

ملک نے ستم ظریفی حالات کا کوئی تلخ تجربہ اس سے پہلے نہیں کیا تھا وہ سمجھتا تھا کہ جب تک زندہ ہے آئی بی کا ڈائریکٹر ہی بنا رہے گا لیکن ۶۵ء میں اسے بادلِ نخواستہ اس عہدے سے الگ ہونا پڑا۔ حالات اس کے اتنے خلاف تھے کہ ملک نے "الوداعی پارٹی" جو اس کے اعزاز میں منعقد ہو رہی تھی میں بھی شمولیت سے معذوری ظاہر کر دی۔

چین بھارت جنگ نے ایک تلخ حقیقت کا احساس بھارتی حکومت کو ضرور دلا دیا تھا کہ اسے بہر حال اپنے سیکورٹی نظام کا جائزہ لے کر از سرِ نو ترجیحات کا تعین کرنا ہو گا۔ ایم آئی ۵ اور او ایس ایس کا تنظیمی ڈھانچہ بھارتی حکومت کے لیے اس لیے بھی مشکوک ٹھہرا کہ برجیز اور میکلین ایم آئی ۵ میں پھر فلبی ایس آئی ایس میں روسی کے جی بی کے ایجنٹ ہوتے ہوئے اعلیٰ عہدوں پر

فائز رہے۔ اس صورت حال نے بھارتی سیکورٹی سسٹم کو بھی متاثر کیا اور اب بھارتی جاسوسی اداروں نے برطانیہ کے بجائے امریکن سی آئی اے کی طرز پر نیا نظام جاسوسی ترتیب دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ایجنسی پہلے ہی دہلی میں بہت موثر طریق پر سرگرم عمل تھی اور دھرم شالہ میں تو اس نے اپنی جاسوسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا جہاں دلائی لامہ نے تبت سے بے دخل ہونے کے بعد قیام کیا ہوا تھا۔ بھارتی حکومت نے ان حالات کو غنیمت جانا اور اسٹیبلشمنٹ ۲۲ کے نام سے سی آئی اے اور آئی بی کی ایک مشترکہ مہم ترتیب دی گئی۔ اسی طرح بھارتی سیکورٹی اور سی آئی اے کے باہمی تعلقات کا آغاز ہوا۔ حالانکہ بھارت میں بائیں بازو کی جماعتیں ہی نہیں خود کانگریس میں بھی ایک بڑا حلقہ سی آئی اے کو بھارتی عوام کا دشمن قرار دے رہا تھا۔

بھارتی جاسوسی اداروں کے دوسرے باب کا آغاز بی این ملک کی برطرفی اور کشمیری براہمن آر این کاؤ کی آمد کے ساتھ ہوتا ہے۔ چین بھارت جنگ میں ملک کی آئی بی کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا تو بھارت کی آرمی انٹیلی جنس کو پہلی مرتبہ آئی بی کو نیچا دکھانے اور خود کو نمایاں رکھنے کا موقع ہاتھ لگا۔ فوج کے کرتا دھرتا لوگوں نے حکومت کو اس بات کا قائل کر لیا کہ فارن انٹیلی جنس سروس کے لیے ایک الگ سیکشن قائم کیا جائے جس کا آئی بی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی انسٹی ٹیوٹ آف ڈیفنس سٹڈیز کا قیام بھی عمل میں آگیا۔ جہاں تازہ ترین دفاعی صورتِ حال کا باقاعدہ تجزیہ کرنے کے بعد نئی منصوبہ بندی ترتیب دی جانے لگی۔

۶۵ء میں جب لال بہادر شاستری بھارت کے وزیراعظم تھے تو ساؤتھ بلاک میں ایک "فارن انٹیلی جنس سیل" قائم کر دیا گیا لیکن ۶۸ء میں صورتِ حال

یکسر بدل گئی جب بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے ایک متبادل اور مکمل سیکورٹی ایجنسی کی ضرورت کو محسوس کیا۔ آر این کاؤ نے جو ان دنوں آئی بی کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا، مسز اندرا گاندھی کو نئی ایجنسی کے قیام پر ایک مربوط رپورٹ ممکنہ تنظیمی ڈھانچے کے ساتھ تیار کر دی جس میں سابقہ ایس آئی ایس سٹائل کو یکسر نظر انداز کر کے سی آئی اے کی طرز پر ایک نئی ایجنسی قائم کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ کاؤ کی تجاویز منظور ہو گئیں اور اسے "را" یعنی ریسرچ اینڈ اینیلیسز ونگ کے پہلے ڈائریکٹر ہونے کا موقعہ ملا۔

○

"را" نے پہلا آپریشن "رن آف کچھ" میں کیا

پہلے مرحلے پر "را" کو غیر ممالک سے متعلق معلومات اکٹھی کرنے کے فرائض تفویض ہوئے جسے "تحقیق" کا نام دیا گیا پھر ان معلومات کو ملکی حالات پر منطبق کرنا جسے "تجزیہ" کہا گیا تھا لیکن آر این کاؤ نے اس سے بہت آگے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور قیام کے فوراً ہی بعد "را" نے "خفیہ آپریشنز" کا آغاز کر دیا۔ کاؤ کی خوش قسمتی یہ تھی کہ ایسے تمام پاکستان دشمن اقدامات کے لیے اسے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

"را" کے قیام کا پہلا ہی سال جاسوسی کارروائیوں کے لحاظ سے چونکا دینے والا تھا۔ کاؤ کے آدمیوں نے ناقابل یقین کارنامے انجام دیے۔ "را" نے پہلا آپریشن راجستھان کی سرحد پر "رن آف کچھ" میں کیا اور انتہائی اہم نوعیت کی معلومات وزیر اعظم کی میز پر پہنچا دی گئیں۔ اس کے بعد نیفا کی سرحد پر "تھولا" میں آپریشن کا آغاز ہوا اور یہاں چائینز افواج کی مکمل قوت اور نقل و حرکت کی اطلاعات "را" نے حاصل کر لیں۔ "را" نے بہت سے چینی مہاجرین کو تربیت دے کر چینی علاقے میں داخل کیا اور خصوصاً کمپا قبائل سے جاسوسی کا کام لیا۔

یہ وہ دور تھا جب بھارتی آرمی کی اعلیٰ کمان کی طرف سے آئی بی کو مستقل تنقید کا سامنا تھا اور انہی لمحات کا فائدہ کاؤ نے بھرپور طریق پر اٹھایا اس نے وزیر اعظم

اندرا گاندھی سے مسلسل رابطہ رکھا اور انہیں قائل کر دیا کہ "را" ہی آئی بی کا بہترین متبادل ہے اور مسز اندرا گاندھی کی طرف سے گرین سگنل ملنے پر اس نے اپنے ایجنٹوں کا جال سارے ملک میں بچھا دیا۔ ان ایجنٹوں کو "را" کے خفیہ فنڈز سے اچھی خاصی ادائیگی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ "را" کے افسران کو انڈیا پے سکیل کے مطابق تنخواہ نہیں ملتی تھی بلکہ انہیں کہیں زیادہ ادائیگی کی جاتی تھی۔ اس لیے ہر کسی کی خواہش رہتی تھی کہ اسے "را" کی خدمت کرنے کا موقعہ ملے۔ کاؤ کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے بھارتی وزیر اعظم سے یہ خصوصی حکم نامہ حاصل کر لیا تھا کہ "را" کے لیے کام کرنے والوں کا مشاہرہ عام افسران سے بہت زیادہ ہوگا اور یہ ادائیگی "را" کے "سیکرٹ فنڈ" سے کی جائے گی۔

آر این کاؤ کا آنا جانا غیر ممالک میں اکثر لگا رہتا تھا اور دنیا کے جس کونے میں بھی اسے "کام کا بندہ" ملا اس نے فوراً اس کی خدمات سے استفادہ کیا مثلاً گھنشیا مہتہ نامی ایک بھارتی سکالر نے ۸۰ء میں بھارت کا ایک نقشہ ڈیزائن کیا جس میں بھارت کا خاصا سرحدی علاقہ چین میں دکھایا۔ گھنشیا مہتہ ۶۲ء میں بھارت سے نکل امریکہ میں جا بسا۔ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا لاس اینجلز میں کاؤ نے اس کو ڈھونڈھ نکالا اور مہتہ کے متعلق اچانک یہ سننے کو ملا کہ وہ اب "را" کے لیے خدمات انجام دے رہا ہے۔

۱۹۷۱ء میں آر این کاؤ کو سپیشل سیکورٹی سیکرٹری کا عہدہ تفویض ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ اپنی من مانی میں مکمل طور پر آزاد ہے کسی کو اس کے کسی کام پر قدغن لگانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ کاؤ نے حکومت کو مشورہ دیا کہ ایسٹیبلشمنٹ ۲۲ کو اے آر سی (ایوی ایشن ریسرچ سنٹر) میں بدل دیا جائے جو سی آئی اے کے ساتھ مشترکہ آپریشنز میں حصہ لے۔ اے آر سی کا کام

برقی آلات اور مصنوعی سیاروں کی مدد سے جاسوسی کرنا تھا اور اس کے لیے سی آئی اے کے جدید ترین طریق کار اختیار کیے گئے یہ کام پہلے بھارتی ائر فورس کے طیاروں سے لیا جاتا تھا جسے کاؤ نے بہترین شکل دے دی تھی۔

۷۰ کے درمیانی عشرے میں "را" کے پاس پاکستان اور چین کی سرحدی تنصیبات کی تصویری رپورٹ موجود تھی یہ کام اے آر سی کے ذریعے پایہ تکمیل کو پہنچا ۷۶ء میں جب کاؤ کو سیکورٹی سیکرٹری کی ذمہ داریاں سونپی گئیں تو اس نے "را" کو بھارت کا اعلیٰ ترین جاسوسی ادارہ بنا دیا۔

بھارتی حکومت میں "را" کو دیگر تمام سیکورٹی ایجنٹوں کے مقابلے میں اوّل مقام حاصل ہو گیا۔ دنیا بھر میں موجود بھارتی سفارت خانوں اور ہائی کمیشن میں "را" نے اپنے آدمی بٹھا دیے۔ ان لوگوں کو ڈپلومیٹ کور حاصل تھا جس کی آڑ میں یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں ایجنٹ اس کے علاوہ ہیں جن کو "را" بھارتی سرحدوں سے غیر قانونی طور پر ہمسایہ ممالک میں داخل کرتی اور ان کے ذریعے مفید معلومات حاصل کرتی ہے۔

۷۰ء کے عشرے میں "را" کا سالانہ بجٹ ۳۰ کروڑ روپے تھا خیال رہے کہ آف دی ریکارڈ بجٹ اس کے علاوہ ہے اس کے برعکس آئی بی کو صرف دو کروڑ روپے ملتے تھے جب کہ آئی بی بھارت کا سب سے قدیمی ادارہ ہے اس کا ڈائریکٹر عموماً پولیس سروس سے خدمات انجام دینے آتا اور واپس چلا جاتا تھا۔ آر این کاؤ نے "را" میں اس قباحت کا بھی خاتمہ کر دیا اور "را" کے لیے براہِ راست بھرتی کا طریق کار اختیار کرنے کے اختیارات بھی حاصل کر لیے۔

صورتِ حال ایسی بن گئی تھی کہ آئی بی کا کردار حکومتی ایوانوں میں نہ ہونے

کے برابر رہ گیا تھا۔

اس زمانے میں وزیراعظم کے داخلی مشاورت کے ذمہ دار آئی بی کے ڈائریکٹر اے جیارام نے مسز اندرا گاندھی کو مشورہ دیا کہ ملک میں ایمرجنسی کی ضرورت نہیں اس کے برعکس مسز اندرا گاندھی نے آر این کاؤ نے جو انتظامی لحاظ سے بھی خارجہ معاملات پر وزیراعظم کو مشورہ دے سکتا تھا وزیراعظم سے کہا کہ ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی جائے اور وزیراعظم نے اے جیارام کی بات رد کرتے ہوئے ملک میں ہنگامی حالت نافذ کر دی۔

گو کہ "را" کے لوگ اس الزام کو تسلیم نہیں کرتے لیکن حقیقت یہی ہے کہ مسز اندرا گاندھی نے "را" کے ڈائریکٹر کے کہنے پر ایمرجنسی نافذ کی تھی مسز اندرا گاندھی کے نزدیک اب آئی بی کے ڈائریکٹر جیارام کی حیثیت "حالات سے بے خبر پولیس آفیسر" سے زیادہ کچھ نہیں رہی تھی جب کہ وہ کاؤ کو انٹیلی جنس ہیرو سمجھنے لگی تھی۔ اس صورتِ حال نے اتنا طول پکڑا کہ پھر جیارام کو بالکل "کھڈے لائن" کر دیا گیا اور آر این کاؤ کو بیرونی جاسوسی کے ساتھ اندرونِ ملک سیکورٹی چیف کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔

مسز اندرا گاندھی کے لیے یہ اقدام انتہائی تباہ کن ثابت ہوا جس کی انہیں بہت قیمت بعد میں ادا کرنی پڑی۔ اس دور میں آئی بی سے بھارتی حکومت غیر ملکی جاسوسوں کی گرفتاری اور ملکی سالمیت کے خلاف ہونے والے واقعات پر بھرپور نظر رکھنے کی توقع کر رہی تھی۔ عین اس دور میں بھارت میں "پولیٹیکل انٹیلی جنس" کا نظریہ بہت شدت سے متعارف ہوا اب کانگریس اور حزب مخالف کے اراکین اسمبلی کے ٹیلیفون ٹیپ کیے جانے لگے۔ ان کی ڈاک سنسر ہونے لگی اور انٹیلی جنس کی گاڑیوں نے ان کا تعاقب اپنا وطیرہ بنا لیا۔ آئی بی

کے صوبائی سربراہان نے اپنے "سیاسی ماسٹرز" کو عوامی سیاسی رجحانات کی باقاعدہ رپورٹس بہم پہنچانے کا سلسلہ زور شور سے شروع کر دیا۔

ایمرجنسی کے دوران جب سیاسی رابطے کم پڑنے لگے تو مسز اندرا گاندھی کا انحصار انٹیلی جنس کی فراہم کردہ رپورٹوں پر بڑھتا چلا گیا۔ بعد میں مسز اندرا گاندھی نے ایک انٹرویو میں کہا جو رپورٹیں انہیں انٹیلی جنس نے بہم پہنچائیں وہ بالکل غلط ہوتی تھیں اور ان میں بھی یہی کہا جاتا تھا کہ عوام ایمرجنسی سے خوش ہیں اگر کہیں اس کے خلاف نفرت بھی موجود ہے تو اس میں کوئی ایسی شدت نہیں پائی جاتی۔ اس الزام پر آئی بی والے کہتے ہیں کہ مسز اندرا گاندھی کو خوشامدیوں کے ٹولے نے گھیر رکھا تھا اور ایسی صورتِ حال میں انہیں وہی اطلاعات بہم پہنچائی گئیں جو وہ پسند فرماتی تھیں۔ ممکن ہے کاؤ انہیں صحیح حالات فراہم کرتا ہو لیکن وہ اس پر بھی کان نہیں دھرتی تھیں۔

اب "را" کے زوال کا دور تھا خصوصاً شیخ مجیب الرحمٰن کا بنگلہ دیش میں قتل گو کہ "را" والے دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے شیخ مجیب قتل کی سازش کا سراغ لگا لیا تھا لیکن حقیقت یہ کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی جان بچانے کے ضمن میں وہ کوئی کچھ نہ کر سکے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل نے "را" کو اچانک ہی آسمان سے تحت الثریٰ کی گہرائیوں میں پھینک دیا بھارتی نقطہ نظر سے یہ کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ ان کے عزیز از جان دوست کا قتل اور وہ بھی بنگلہ دیش کے قیام کے ابتدائی دور ہی میں اس بات کا ثبوت تھا کہ دو قومی نظریے کے خلاف بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے جو بڑ دو قومی نظریے کو ہند مہا ساگر میں غرق کرنے سے متعلق ہانکی تھی وہ غلط ثابت ہوئی کاؤ کے ماتحت نو اعلیٰ افسران کی پہلے ہی مرحلے پر چھٹی ہو گئی۔

آر این کاؤ کے دوست اس سب کچھ کے لیے کاؤ کو بالکل بے گناہ قرار دیتے ہیں
ان کا کہنا ہے کہ ایمرجنسی سے متعلق وہ سنجے گاندھی کو براہِ راست مشاورت کا پابند
تھا اور بہت سی باتیں جو سنجے کے علم میں ہوتی تھیں وہ مسز اندرا گاندھی تک نہیں
پہنچتی تھیں۔ راستے ہی میں رہ جاتیں اسی طرح کاؤ کو بہت کچھ کرنے کا موقع نہ مل
سکا جو وہ کرنا چاہتا تھا وہ اس الزام سے بھی انکاری ہیں کہ "را" نے حکومت
کو ایمرجنسی کے ذریعے "سیاسی تشدد" کی ترغیب دی اور اس کا ذمہ دار بھی آئی
یا پھر سنٹرل بیورو آف انوسٹی گیشن کو قرار دیتے ہیں ان حلقوں کا یہ بھی کہنا ہے
کہ کاؤ نے بھی مسز اندرا گاندھی کو یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ ۷۷ء کے الیکشن میں
بھاری اکثریت سے کامیاب ہوں گی۔ یاد رہے کہ یہ الزام بھی کاؤ کے کھاتے
میں ڈالا جاتا ہے کہ اس نے مسز اندرا گاندھی کو مقبولیت کے ضمن میں اندھیرے
میں رکھا اور انہیں یہی بتایا کہ وہ اکثریت سے انتخابات میں کامیابی حاصل کریں
گی۔ جب کہ ایمرجنسی میں ان کے صاحبزادے سنجے گاندھی نے اپنی ماں کے آشیر باد
سے جو کارنامے انجام دیے ان کے بعد وزیر اعظم کی مقبولیت کا گراف مسلسل
گرنے لگا تھا۔

آئی بی والوں کا کہنا ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تب کانگریس
کی جیت کے امکانات ہی زیادہ تھے اور انہوں نے وزیر اعظم تک صحیح اطلاع
پہنچائیں لیکن انہوں نے وزیر اعظم سے یہ کہہ دیا تھا کہ اپوزیشن لیڈروں کو رہا
کرنے کے بعد کم از کم چھ ماہ تک انتظار کیا جائے تاکہ ان کے غبارے سے
اچھی طرح ہوا نکل سکے جب کہ حکومت نے اس مہلت کو نظر انداز کر دیا اور
اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود مسز اندرا گاندھی کو اپنے حلقے سے شکست کا سامنا کرنا پڑا
انٹیلی جنس کمیونٹی کا کہنا ہے کہ بھارتی سیکورٹی کے ڈھانچے کو مرارجی ڈیسائی

سے زیادہ کسی نے دھچکا نہیں لگایا۔ مرارجی ڈیسائی سمجھتا تھا کہ یہ غیر ضروری اختلافی محکمہ
ہے اور ہمسایہ ممالک میں جو خفیہ آپریشن کیے جا رہے ہیں وہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہے
مرارجی ڈیسائی ایمرجنسی کے دوران ہونے والی تباہی کا ذمہ دار "را" کو سمجھتا تھا
اور اس کا کہنا تھا کہ اس ایجنسی نے ایمرجنسی کے ذریعے ملکی سالمیت پر زبردست
ضرب لگائی ہے اور استقلال کے بجائے انتشار پیدا ہے۔

یہاں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مرارجی ڈیسائی کا یہ الزام جذباتی ہے کیونکہ ایمرجنسی
کے مسئلے پر ترتیب دیے جانے والے "شاکمیشن" کی رپورٹ نے آر این کاؤ اور
اس کے ڈپٹی ڈائریکٹر شنکرن نائر کو بالکل بے گناہ قرار دیا تھا اور ان کے خلاف
فائنل رپورٹ میں ایک لفظ بھی اس سلسلے میں موجود نہیں۔ جنتا حکومت کے دور میں
انٹیلی جنس کے بجٹ کو زبردست دھچکا لگا، "را" کو غیر ممالک میں اپنے تمام خفیہ
آپریشن روکنا پڑے اور غیر ملکی ایجنٹوں کو فی الوقت آرام کا مشورہ دیا گیا تھا
اندرون ملک تمام بڑے سٹیشنوں پر فائز افسران کے تبادلے کر دیے گئے۔

"را" کی خصوصی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے مرارجی ڈیسائی نے سب کچھ کر دکھایا
ہمارا بجٹ انتہائی کم کر دیا۔ غیر ممالک میں ہمارا عملہ انتہائی مختصر ہو گیا اور ایم ایف
سنتوکھ جو کاؤ کے بعد ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوا تھا اس کی حیثیت بہت کم کر
دی گئی اور اسے "بابو" کے لیول سے گرا دیا گیا "را" کے افسران اس دور سے
متعلق شاکی رہتے ہوئے اکثر یہ باتیں دہراتے ہیں۔

وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی نے "را" اور آئی بی کے اعلیٰ حکام کو صاف
لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اسے انٹیلی جنس کی بھیڑ پسند نہیں اور نہ ہی وہ اگلے پچاس
برسوں سے متعلق معلومات رکھنے کا خواہاں ہے۔ گویا اب انٹیلی جنس کی حیثیت
بھی پولیس بیورو کریسی کی سی ہو کر رہ گئی۔

"را" کے ایجنٹ وزیراعظم مرارجی ڈیسائی کے اس فیصلے کو بھارتی انٹیلی جنس کی تاریخ کا سب سے بڑا "بلنڈر" خیال کرتے ہیں واقعات کے مطابق ۱۹۷۸ء کے آغاز میں "را" کے ایک انتہائی عزیز پاکستانی رابطے نے "را" کے افسران کو یہ اطلاع دی کہ اس نے پاکستان کے کہوٹہ پلانٹ کے مکمل بلیو پرنٹس حاصل کرنے کا بندوبست کر لیا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ جس شخص نے یہ پیکج بہم پہنچایا ہے اس کے عوض اس نے ڈالر مانگے ہیں۔ یہ کوئی بڑی رقم نہیں تھی اور "را" والے اپنے خفیہ فنڈ سے اس کی ادائیگی کر سکتے تھے لیکن وزیراعظم سے "را" کے کشیدہ تعلقات کے سبب اس بوجھ دینے والی اطلاع کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے ڈائریکٹر سنتوکھ نے وزیراعظم سے مشورہ ضروری سمجھا۔

مرارجی ڈیسائی نے "را" کے ڈائریکٹر کی بات سنی اور یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا کہ وہ کسی غلط کام کے لیے دس ہزار ڈالر نہیں دے سکتے اور "را" کا یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں بھارتی وزیراعظم نے پاکستانی حکام کو اس بات سے آگاہ کر دیا جس پر پاکستانی انٹیلی جنس حرکت میں آئی اور انہوں نے اس "غدار" کا سراغ لگا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

○

سکھوں میں "را" کا خفیہ ایجنٹ

فالکن کون ہے؟

بھارت کی نمبر ون انٹیلی جنس ایجنسی "را" کے افسران خود کو عضو معطل محسوس کرنے لگے لیکن ابھی انہیں ایک اور زبردست دھچکے کا سامنا ہونا باقی تھا۔ پاکستانی سفارت کاروں کے ساتھ ایک میٹنگ میں وزیراعظم مرارجی ڈیسائی نے انہیں کہا کہ تمہاری سیکورٹی اتنی خراب ہے کہ تم لوگ اپنے واحد ایٹمی پلانٹ کی حفاظت نہیں کر سکتے اور وہاں بھی غداروں کو داخل کیا ہوا ہے جو کہوٹہ کے راز بیچنے کے لیے "را" سے رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ اس پر پاکستانی انٹیلی جنس حرکت میں آئی اور انہوں نے تفتیش شروع کی کہ کس جگہ سے معلومات کے باہر جانے کا امکان ہو سکتا ہے۔ یہاں اتنا زیادہ عملہ تو تھا نہیں اور ان معدودے چند لوگوں میں سے "را" کا ایجنٹ تلاش کرنا کوئی مشکل کام بھی نہیں تھا انہوں نے اس غدار کو ڈھونڈتے ہی گولی مار دی جب کہ "را" کو اپنے بہترین ایجنٹ سے ہاتھ دھونا پڑے۔

"را" کے ایک آپریٹر کا کہنا کہ اگر اس دور میں ہمیں کہوٹہ کے بلیو پرنٹس مل جاتے تو ہم حکومت کو اس بات کی ضمانت دے سکتے تھے کہ پاکستان کو کبھی ایٹمی لحاظ سے خود کفیل نہ ہونے دیں گے۔ اس حادثے کے بعد پاکستان میں "را"

کے دیگر ایجنٹ گھبرا کر چوکنے ہو گئے اور "را" سے کنی کترانے لگے اس طرح "را" پاکستان سے متعلق انتہائی حساس معلومات کے حصول میں ناکام ہونے لگی۔

اس دور میں جنتا پارٹی کے ممبر پارلیمنٹ سبرامنیم سوامی وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کے متعلق اس الزام کی تردید کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مرارجی ڈیسائی کے دورِ حکومت میں ہم نے کبھی "را" کے بجٹ میں کمی نہیں کی نہ ہی اسے کسی اور طرح سے نقصان پہنچایا گیا صرف یہ ہوا کہ آئی بی سے جو افسران کی ایک فوج ڈیپوٹیشن پر "را" میں آ گئی تھی اسے واپس آئی بی میں بھیج دیا گیا۔ اس دور کے وزیر اطلاعات ونشریات ایل کے ایڈوانی نے کہا تھا کہ ہم کاؤ شنکرن نائر اور راجیشور کو بھارت سے زیادہ اندرا گاندھی کے ذاتی ملازم سمجھتے ہیں اور ہم نے سیاسی جاسوسی کو ختم کیا اور کچھ نہیں کیا۔

سبرامنیم سوامی نے وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کے دفاع میں کہا ہے کہ اس کے ہر فیصلے کی توجیہہ موجود ہے مثلاً مرارجی ڈیسائی نے بنگلہ دیش کے جنرل ضیاء الرحمٰن کے قتل کا منصوبہ رد کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ "را" کو صرف اس بات کا غصہ ہے کہ وہ مجیب الرحمٰن کا دفاع نہ کر سکی اور اپنے وعدوں کے باوجود جھوٹی ثابت ہوئی۔ "را" اپنی اس ہزیمت کا بدلہ چکانے کے لیے جنرل ضیاء الرحمٰن کو قتل کرنا چاہتی تھی جب کہ مرارجی ڈیسائی کا کہنا تھا کہ وہ ایک ہمسایہ ملک کے سربراہ کو جس نے بھارت کا کچھ نہیں بگاڑا نہ ہی مستقبل میں بھارت کے لیے خطرہ پیدا کرے گا قتل کرنے کی اجازت کیوں دیں۔ مرارجی ڈیسائی اس کو غنڈہ گردی اور دہشت گردی سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے "را" کو سختی سے منع کر دیا۔

اس کے جواب میں "را" کا صرف یہ کہنا کہ ضیاء الرحمٰن کے قتل کے ساتھ

ان کے بہت سے مفادات وابستہ ہیں اور اس قتل کی پلاننگ میں وہ اتنی دور تک جا چکے ہیں کہ اب واپس لوٹنا ممکن نہیں کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مرارجی ڈیسائی یہ بات قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اسی لیے ان کے عہدِ حکومت میں "را" کے لیے یہ کچھ ممکن نہ رہا لیکن جیسے ہی اندرا گاندھی اقتدار میں واپس آئیں تو "را" نے اندرا گاندھی کی اجازت سے یہ "کارنامہ" انجام دے دیا۔ اس گھناؤنے منصوبے کو مسز اندرا گاندھی کی مکمل آشیرباد حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دوبارہ اقتدار میں آتے ہی پہلا کام "را" سے یہی کروایا، گو کہ بھارتی حکومت اس الزام کو قبول نہیں کرتی کہ مسز اندرا گاندھی نے جنرل ضیاء الرحمٰن کے قتل کی اجازت دے دی تھی لیکن یہ حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

۱۹۸۰ میں جب اندرا گاندھی نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا تو انٹیلی جنس برادری میں خوشی کی لہر دوڑ گئی خصوصاً ان کے پروردہ افسران کے لیے تو اس سے بڑا خوشی کا موقع اور کوئی تھا ہی نہیں۔ آر این کاؤ کو دوبارہ سیکورٹی ایڈوائزر کی حیثیت سے اپنا گمشدہ وقار واپس مل گیا شنکرن نائر کی جاسوسی دنیا میں دھوم دھام کے ساتھ واپس ہوگئی۔

"را" ایک مرتبہ پھر حکومت کا "لاڈلا بچہ" بن گئی اور سنٹرل گورنمنٹ آفسز (سی جی او) میں موجود اس کے ہیڈ کوارٹرز میں پھر جاسوسی سرگرمیاں اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگیں۔ دہلی کے وسنت وہار میں ۱۰۰ ایکڑ رقبے پر پھیلے "را" کے ہیڈ کوارٹرز کے لیے بہت سے جاسوسی آلات کی درآمد کے احکامات جاری ہوئے

یہ بات قابلِ بحث ہے کہ اندرا گاندھی کے دوسرے دورِ اقتدار میں "را" نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیے۔ "مانیٹرنگ سیکشن" میں گفتگو کو درمیان سے

ریکارڈ کرنے والے جدید ترین حساس آلات نصب ہو گئے لیکن یہ معلومات کوڈ زبان میں ریکارڈ ہوتی تھیں اور عام نوعیت کی انٹیلی جنس استعمال کی اطلاعات تھیں۔ ایجنسی کا اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان کی "ٹیلی کمیونی کیشن" پر کنٹرول حاصل کرنا تھا۔ اس دور میں "را" کو پاکستان کی قریباً تمام اہم شخصیات کی فون پر ہونے والی گفتگو کو سننے پر عبور حاصل ہو گیا تھا لیکن بہت سی ناکامیاں بھی اس دور کا طرۂ امتیاز ہیں۔

مسز اندرا گاندھی نے اس دور میں ماریشش کے ساتھ نزدیکی تعلقات قائم کرنے شروع کیے۔ "را" نے فوراً یہاں اپنے اڈے قائم کر لیے کیونکہ مسز اندرا گاندھی مستقبل میں مالدیپ پر کنٹرول حاصل کرنے کی خواہاں تھی اس مقصد کے لیے ضروری تھا کہ اس کی کٹھ پتلی رام غلام وہاں کا وزیر اعظم بنا رہے "را" نے مسز اندرا گاندھی کی خواہش پر رام غلام محمد کو ۱۹۸۰ء کے انتخابات میں کروڑوں روپیہ الیکشن کی انتخابی مہم کے لیے بہم پہنچایا۔ اس کی انتخابی مہم میں ہر ممکن مدد کی لیکن رام غلام محمد کی حکومت برقرار نہ رہ سکی۔ اور مالدیپ کے عوام نے نئی حکومت کو ووٹ دیا۔ سبرامنیم سوامی کا کہنا ہے کہ "را" نے بھارت سے ہزاروں ٹی شرٹ بنا کر مالدیپ میں بھیجیں۔ جن پر رام غلام کی حمایت میں نعرے لکھے ہوئے تھے اور یہ شرٹس ان کے ووٹرز میں تقسیم کی گئیں۔

غیر ممالک میں موجود "را" کے ایجنٹوں نے بھی کوئی خاص کارنامے اس سلسلے میں انجام نہیں دیے حالانکہ ایسے دعوے بہت کیے جاتے ہیں۔ لندن میں سکھوں کے بڑے مرکز "ساؤتھ ہال" میں "را" کے سکھوں کے بھیس میں موجود ایجنٹوں نے مقامی آبادی میں حریت پسندوں کی امداد کرنے والے گروپوں میں تنازعات کھڑے کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن کوئی بھی خاص کامیابی

حاصل نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہوں نے لندن کے سکھوں کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر دیا لیکن ان میں سے ہر گروپ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خالصتان کے لیے جد وجہد کرنے والوں کی مدد کرتا ہے اس طرح گویا "را" نے بھارت کے لیے مزید مشکلات پیدا کیں کیونکہ اس نے مختلف گروپوں کے درمیان مخاصمت پیدا کر کے ایک طرح سے مقابلے کی مثبت فضا پیدا کر دی۔

ٹورانٹو کینیڈا میں "را" نے اپنے ایجنٹوں کا جال پھیلا ہوا ہے وہاں بھی "را" جوڑ توڑ کرنے سے زیادہ کوئی کارنامہ انجام نہیں دے پائی۔ حتیٰ کہ حریت پسند سکھوں میں اپنے آدمی داخل کرنے کے باوجود آج تک "را" اس بات کا پتہ بھی نہیں لگا سکی کہ انڈین ائر لائن کے جہاز کو سکھوں کے کس گروپ نے اور کس طرح تباہ کیا تھا حالانکہ بھارتی حکام کو یقین ہے کہ یہ کارروائی کینیڈا کے سکھوں نے ہی کی تھی۔

پنجاب میں ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد "را" نے سری لنکا میں اپنا وقار بحال کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن کیا حاصل ہوا؟ مسز اندرا گاندھی نے کاؤ کو حکم دیا کہ بنگلہ دیش والی کہانی یہاں بھی دہرائی جائے۔ "را" نے اس پر سری لنکا سے غداروں کی بھرتی شروع کی اور انہیں سری لنکا حکومت کا امن غارت کرنے کی تربیت دے کر سری لنکا میں داخل کر دیا۔ تامل ناڈو کے وزیر اعلیٰ ایم جی راما چندرن کی نگرانی میں "را" نے یہاں تخریب کاروں کے کیمپ لگا دیے۔ مکتی باہنی کو تربیت دینے والے ریٹائرڈ افسران کی خدمات دوبارہ حاصل کی گئیں اور تخریب کاروں کی تربیت شروع ہوئی۔

اس بات سے قطع نظر کہ ان تخریب کاروں نے سری لنکا کی اندرونی سلامتی کے لیے کس حد تک خطرات پیدا کیے ہیں اور "را" کو اپنے گھناؤنے مقاصد

میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک بات جس کا آج بھارت کا ہر باشندہ شاکی ہے وہ یہ کہ "پربھاکرن" جیسا تامل لیڈر بھی "را" کی دریافت ہے جس نے "را" کے کیمپ میں ٹریننگ حاصل کی اور خود آج سری لنکا میں موجود بھارتی فوج کے لیے دردسر بن چکا ہے اور جس نے بین الاقوامی سطح پر بھارت کو ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔

اندرا گاندھی کے دوسرے دورِ اقتدار میں ایک مرتبہ پھر "را" میں آئی بی مخالف افسران کا غلبہ ہونے لگا اور آئی بی مخالف فضا پیدا کی جانے لگی۔ ایسا ایک حد تک ہی ہو سکتا تھا کیونکہ آر این کاؤ اب "را" کا براہ راست ڈائریکٹر نہیں رہا تھا لیکن اس کے حمایت یافتہ اور بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے آشیر باد یافتہ لوگ بہر حال اپنی جگہ موجود تھے۔ جنہیں ہر طرح کا کھیل کھیلنے کی چھٹی مل گئی تھی۔

آئی بی والے "سیاسی آپریشنز" اپنے جاسوسوں کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ جسٹس جے سی شاہ نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ایمرجنسی کے دوران بھارت میں سیاسی جاسوسی کے میدان میں "را" اور "آئی بی" کے درمیان جنگ کی فضا پیدا ہو گئی تھی اور دونوں ایجنسیاں اپنے اپنے میدان میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کارنامے انجام دے رہی تھیں تاکہ سرکاری خوشنودی حاصل کی جا سکے۔ اس سلسلے میں مسز اندرا گاندھی نے اپنے پارٹی ممبران کو بھی رعایت نہیں دی اور ان کی پرائیویٹ زندگی بھی غیر محفوظ ہو کر رہ گئی۔

جنتا پارٹی کے دورِ اقتدار میں انٹیلی جنس والوں نے مرارجی ڈیسائی کو بھی یہی چسکا لگانا چاہا اور اطلاعات دینے لگے کہ ان کی اپنی پارٹی میں ان کے مخالفین ان کے خلاف کیا کر رہے ہیں لیکن مرارجی ڈیسائی نے سختی سے حکم دیا کہ اس سیاسی جاسوسی کو ختم کیا جائے۔ انہوں نے خاص طور پر ہدایت

کی کہ کسی سیاسی شخصیت کا ٹیلیفون ٹیپ نہ کیا جائے یہاں تک کہ مرارجی ڈیسائی نے آئی بی میں جنتا حکومت کے لیے انتہائی نرم گوشہ رکھنے والے ڈائریکٹر وی ناگارکر کو مسز اندرا گاندھی کے فارم ہاؤس پر چھاپہ مارنے کی اجازت دینے سے بھی انکار کر دیا حالانکہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اسی صورتحال نے ناگارکر کو ایک عرصے تک پریشانی میں مبتلا کیے رکھا۔

بہت سی اور بھی ناکامیاں ہیں۔ "را" کو پاکستان میں کیے گئے اپنے جاسوسی کارناموں پر بہت فخر ہے لیکن اس بات میں شبہے کی گنجائش نہیں کہ ابھی تک "را" کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے متعلق ڈھنگ کی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ "را" کے سری لنکا میں سینکڑوں ایجنٹ موجود ہیں لیکن جب ۸۳ء میں پہلی مرتبہ گروہی فسادات ہوئے تو "را" کے افسران خود بھونچکا رہ گئے کیونکہ یہ سب کچھ خلافِ توقع تھا۔

بدترین ناکامی کے لیے پنجاب میں بھارتی انٹیلی جنس کا آپریشن آئی بی کا دردِسر تھا کیونکہ یہ ملک کا اندرونی معاملہ تھا لیکن "را" اس ناکامی میں برابر کی حصہ دار ہے اور وہ اس سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکتی۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں پہلی وجہ تو یہ کہ کاؤ کو سیکورٹی ایڈوائزر کا عہدہ مل گیا اور ملکی سطح پر امن و امان کی بحالی اس کی ذمہ داری تھی اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے لاپرواہ رہا کیونکہ اسے اپنی تنظیم کی صلاحیتوں پر بہت فخر تھا اور وہ سمجھتا رہا کہ اس کے ساتھی اس معاملے کو سنبھال لیں گے۔ دوسری وجہ کہ مسز اندرا گاندھی نے "را" کو بہترین جاسوسی ادارے کا درجہ دے کر بہت زیادہ سر پہ چڑھا لیا اس لیے اس کا فرض بنتا تھا کہ وہ وزیر اعظم کی توقعات پر پورا اترے لیکن "را" والے "آئی بی" کا منہ دیکھتے رہے اور تیسری سب سے بڑھ کر اور اہم وجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بیرونی طاقت پاکستان

اور غیر ممالک میں رہنے والے سکھ بھی ملوث تھے اس لیے بھی یہ "را" کی ذمہ داری تھی کیونکہ غیر ممالک میں تمام جاسوسی آپریشن کی ذمہ دار "را" تھی۔

۸۳ء میں "را" کو پنجاب میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی جب "را" کا ایک ایجنٹ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے خصوصی حلقے میں داخل ہو گیا۔ یہ شخص جسے "را" کی خفیہ فائلوں میں "فالکن" کا نام دیا گیا ہے اس کے بعد غیر ممالک میں موجود سکھ حریت پسندوں میں خاصی مقبولیت حاصل کر گیا لیکن خالصتان نواز سکھوں کا کمال یہ ہے کہ "را" تک انھوں نے پھر بھی اپنی کام کی کوئی بات نہ پہنچنے دی "را" کو آخر دم تک یہ بھی علم نہ ہو سکا کہ بھنڈرانوالہ کے پاس کتنی طاقت ہے اور کس نوعیت کا اور کتنا اسلحہ موجود ہے۔ حالانکہ اس کے گرد اگرد "را" نے اپنے ایجنٹوں کا جال بچھا دیا تھا۔ "را" کا اگر کوئی کارنامہ ہے تو صرف اس کی طرف سے بھارتی حکومت کو فراہم کردہ یہ اطلاع کہ تحریک خالصتان کے ڈانڈے پاکستان سے ملتے ہیں اور زیر زمین چلنے والی اس تحریک کو اسلحہ اور امداد سرحد پار سے ملتی ہے۔

مسز اندرا گاندھی دوبارہ برسر اقتدار آئیں تو ایک مرتبہ پھر سیاستدانوں کی پرائیویٹ زندگی بے نقاب ہونے لگی ان کے گھروں اور دفاتر کے اندر

ہونے والی گفتگو ان کی ذاتی محافل کی کاروائیاں، دوستیاں، دشمنیاں، معاشرتی تعلقات "را" کی فائلوں پر چڑھنے لگے۔ کسی کا ٹیلیفون اور ڈاک محفوظ نہ رہے سنجے گاندھی کی موت کے بعد آئی بی کا آدھے سے زیادہ عملہ اس کی بیوہ مینکا گاندھی اور اس کے دوستوں کی جاسوسی کے لیے مختص کر دیا گیا مینکا گاندھی کا فون ٹیپ ہونے لگا اکبر احمد کے پیچھے جاسوسوں کی فوج لگ گئی اس کی آمدورفت، ملاقاتیں، باتیں سب کا مسلسل ریکارڈ رکھا جانے لگا۔ ہر وقت آئی بی کے جاسوس اس کے گھر کے سامنے پہرہ دیتے نظر آتے تھے۔ اے آر انتولے کی میرین ڈرائیو والی رہائش گاہ کو جانے والے تمام راستوں پر انٹیلی جنس کی باقاعدہ چوکیاں قائم کر دی گئیں۔ میرین ڈرائیو پر انتولے کی رہائش گاہ میں آنے والے ٹیلی فون نمبروں کا ریکارڈ رکھا جانے لگا اس جگہ جس نمبر سے فون کیا جاتا وہ فون نمبر بھی انٹیلی جنس کی نظروں میں مشکوک ہو جاتا۔

آئی بی کی بدقسمتی کہ اس مرتبہ پھر وہ بیوروکریسی بن کر رہ گئی۔ ایک طرف تو آئی پی ایس کے سینئر ملازمین تھے جو اعلیٰ ترین امتحانات پاس کر کے سروس میں آتے اور دوسری طرف آئی بی والے جن کی تنخواہیں ان سے زیادہ ہوتی تھیں اسی طرح ایک اور نئے مسئلے نے سر اٹھانا شروع کر دیا آئی بی کی اعلیٰ ۵۰ پوسٹیں آئی پی ایس آفیسرز کے لیے تھیں اور ۹۰ فیصد کوٹہ نچلے درجے کے ملازمین کے لیے مختص کر دیا گیا کچھ ایسی ہی صورت حال "را" کی تھی جہاں سب سے بڑا سروس گلیمر یہ تھا کہ کسی وقت غیر ممالک میں تقرری کا موقع مل جاتا آئی بی کے کچھ اعلیٰ افسران کو وقتاً فوقتاً ایم آئی فائیو سے تربیت حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا، حالانکہ یہاں سے کوئی خاص تربیت کبھی نہیں ملی تھی لیکن لندن کی اس امداد کو کچھ زیادہ

ہی بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے بی جے پی کے لیڈر ایل کے ایڈوانی نے انکشاف کیا کہ انہیں کس طرح اپنی روزانہ ڈاک کے سنسر ہونے کا ثبوت ملا۔ وہ کہتے ہیں ۱۹۸۲ء میں مجھے احساس ہوا کہ میری معمول کی ڈاک خاصی تاخیر سے وصول ہوتی ہے میرے پارسل تو بروقت مل جاتے تھے لیکن خطوط ایک دن کی دیری سے ملتے ایک روز مجھے ایک خط ملا لفافے پر تو میرا ہی ایڈریس لکھا تھا لیکن جب اندر موجود تحریر پڑھنی شروع کی تو اس کا آغاز "آدرنیہ لالہ جی" سے ہوا مجھے عموماً لال جی کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے اس انداز تخاطب نے مجھے چونکا دیا جب میں نے آگے پڑھنا شروع کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو لالہ ہنس راج گپتا کے نام تھا جو میرے گھر کے نزدیک ہی رہتے تھے ہوا یوں کہ ڈاک سنسر کرنے والوں نے میرے اور لالہ جی کے خطوط کھولے اور پھر لفافوں میں خط ڈالتے ہوئے غلطی کر گئے جس سے ان کے کالے کرتوت کا بھانڈا پھوٹ گیا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب آئی بی والوں کو سیاستدانوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کا حکم ملا تھا۔ آئی بی والوں کا مرکزی تفتیش خانہ لال قلعہ دہلی میں واقع تھا راتوں رات لوگوں کو اغوا کر کے یہاں پہنچا دیا جاتا یہاں پہنچنے والوں پر جو قیامت گزرتی اس کی بڑی ہولناک کہانیاں بھارتی پریس میں گشت کرتی رہتی ہیں۔ جس کمرے میں تفتیش کی جاتی وہ بڑا اور مخصوص فرنیچر سے آراستہ ہوتا تھا۔ اغوا کنندہ کو ایک لکڑی کے سٹول پر بٹھا دیا جاتا اور اس کے سامنے ایک کونے پر بڑا شیشہ نصب ہوتا جس کے ذریعے سینئر انٹیلی جنس افسران کو اندر ہونے والی ساری کارروائی صاف دکھائی دیتی تھی کمرے میں ہر وقت آنکھیں چندھیا دینے والی روشنی موجود رہتی یہ اہتمام اس انداز سے کیا

گیا تھا کہ گرفتار کنندہ براہِ راست تیز روشنیوں کی زد میں رہتا جس سے اس کی ذہنی حالت جلد ہی غیر ہونے لگتی اوّل تو اس مرحلے پر ہتھیار ڈال دینا بصورتِ دیگر اس پر وحشیانہ تشدد توڑنے کا عمل شروع ہو جاتا۔

کمار نرائن جسے آئی بی والے "ماسٹر سپائی" کہتے ہیں کا کہنا ہے کہ اسے جاسوسی کے الزام میں پکڑ کر یہاں لایا گیا اور تیز روشنیوں میں بھی جب اس نے اپنے سر تھوپے جانے والے گناہ ماننے سے انکار کیا تو اسے پٹ سن کی رسیوں سے باندھ کر بارش میں پھینک دیا گیا پہلے ہلّے میں ہی کمار نرائن نے ہتھیار ڈال دیے اور آئی بی والوں سے کہا کہ وہ جس طرح کا بیان اس سے لینا چاہیں وہ دینے کے لیے تیار ہے۔ آئی بی کے بے شمار ایجنٹ اندرونی سلامتی برقرار رکھنے میں ناکام رہے اور ان کی پیشہ ورانہ اہلیت ہمیشہ مشکوک رہی ہے سیاست دانوں کا کہنا ہے کہ آئی بی کے نارتھ بلاک اور ۲۵ اکبر روڈ پر واقع آفس میں لوگ جھک مارتے رہے اور ان کی ناک کے نیچے اندرا گاندھی کے قتل کا منصوبہ کامیابی سے تکمیل پا گیا۔

آئی بی نے تین امتحان دیے اور تینوں میں ناکام ثابت ہوئی پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء کی چین بھارت جنگ دوسری مرتبہ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء کا ایمرجنسی دور اور آخر میں ۱۹۸۴ء میں مسز اندرا گاندھی کا ان کے اپنے محافظ کے ہاتھوں قتل کیونکہ دربار صاحب پر بھارتی فوج کے حملے کے بعد سے آئی بی کو اپنے ایجنٹوں سے یہ رپورٹیں مسلسل مل رہی تھیں کہ سکھ اندرا گاندھی کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور وہ بہر صورت ایسا کر گزریں گے آئی بی والے اس بات کو دہراتے کرتے ہیں کہ مسز اندرا گاندھی کے تمام محافظ سکھ ہٹا لیے گئے تھے لیکن یہ اقدام آئی بی کی حکمت عملی کا مرہونِ منت نہیں بلکہ ایسا محض نسلی تعصب کی بنا پر کیا گیا

لیکن مسز اندرا گاندھی کو اس پر اعتراض تھا کہ یہ بات ان کے نام نہاد سیکولرازم کے نعرے کی نفی کرتی تھی۔

۱۱ اکتوبر کو مسز اندرا گاندھی نے آر کے دھون کو بلا کر اس معاملے پر ڈانٹ پلا دی۔ دھون نے دہلی کے ڈی سی پی کو طلب کر کے بتایا کہ وزیراعظم سکھوں کو اپنے سیکرٹریٹ میں واپس لانا چاہتی ہیں دھون نے ڈی سی پی کو کہا کہ اس بات کا خیال رہے کہ ان لوگوں کو اگر خالی ہاتھ یا گولیوں کے بغیر بندوق کے ساتھ رکھا گیا تو وزیراعظم پسند نہیں کریں گی۔

دہلی پولیس نے سکھ گارڈز کو اسلحے سمیت وزیراعظم سیکرٹریٹ میں ڈیوٹی دینے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی۔ ۱۹ اکتوبر کو بالآخر وزیراعظم ہاؤس کا ڈیوٹی چارٹر تبدیل کر دیا گیا اور بے انت سنگھ ستونت سنگھ اور دیگر سکھ پولیس ملازمین کو وی وی آئی پی سیکورٹی کے لیے بھیج دیا نتیجہ ظاہر تھا جیسے ہی معمولی سی بے احتیاطی ہوئی ۳۱ اکتوبر کو سکھوں نے اپنی وزیراعظم کو مار ڈالا انڈین سیکورٹی کے لیے یہ معمولی دھچکا نہیں تھا ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر آر این کاؤ نے اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔

راجیو گاندھی نے جب وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا تو اس نے سیکورٹی حکام کے ساتھ اپنی پہلی میٹنگ میں ہی انہیں باور کرا دیا کہ سکھ پولیس ملازمین کو ہٹا دینے سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا اس نے سکھوں کے بجائے سیکورٹی حکام کی نااہلی کو اس حادثے کا سبب بنایا اور کہا کہ سیکورٹی حکام اپنے اپنے لوگوں کو نوازنے کے چکر میں رہتے ہیں اور یہی اس حادثے کا سبب تھا راجیو گاندھی کا بھائی سنجے گاندھی "را" کو "ریلٹو اینڈ والفز" ..... ایسوسی ایشن کہا کرتا تھا ارون سنگھ جس پر راجیو گاندھی کو اندھا اعتماد تھا لیکن جو درحقیقت فوج کا حکو

میں جاسوس تھا کو انٹیلی جنس مشینری کی اوور ہالنگ کی ذمہ داریاں سونپی گئیں بڑے بحث و تمحیص کے بعد بالآخر حکام اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک جوائنٹ انٹیلی جنس کمیٹی (جے آئی سی) قائم کر دی جائے جو وزیراعظم کو براہ راست جواب دہ ہو اس طرح بھارتی وزیراعظم نے "را" اور "آئی بی" دونوں کا ڈائریکٹوریٹ بنا دیا۔ ان میں سے ایک کو سیکرٹری (بیرونی انٹیلی جنس) کہا جانے لگا یہی سیکرٹری "را" کا انچارج تھا اسے آر سی اور سپیشل سیکورٹی بیورو کو سرحدی انٹیلی جنس اور وی وی آئی پی کی حفاظت کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔

○

بھارتی کرنل۔ جو پاکستانی جاسوس تھا

پاکستانی تھرڈ سیکرٹری، جو غدار تھا

جب گووندراجن جے آئی سی کا سربراہ بنا تو اس کمیٹی کو بہت پذیرائی ملی اس کے برعکس کاؤ کے طرز انٹیلی جنس کے خلاف فضا ہموار ہوتے لگی۔ کاؤ کو بعد میں پالیسی پلاننگ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے مدعو کیا گیا لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ دراصل ٹھکر کمیشن رپورٹ کے ضمن میں اس کی طلبی ہوئی تھی جہاں اس کے دور کے بہت سے اپریشنز زیر بحث آئے اور خاص طور پر بھارت میں تامل تخریب کاروں کے لیے قائم کردہ تربیتی کیمپ کے ضمن میں اسے ہدف تنقید بنایا گیا اور اس سلسلے میں بھارت کو عالمی سطح پر جس ہزیمت کا سامنا ہوا اس کی ذمہ داری بھی آر این کاؤ پر ڈالی گئی۔ اب صورتِ حال ایسی بن گئی تھی کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہ جب بھی چاہیں وزیراعظم راجیو گاندھی سے ملاقات کر سکتے تھے لیکن یہ صرف کاغذی بات ہے حقیقت یہ ہے کہ میٹنگ میں عموماً سرلا گریوال اور مبر اشنکر ہی بیٹھا کرتے تھے۔

افغانستان اور سری لنکا سے متعلقہ معاملات پر گوپی اروڑہ کو بلایا جاتا تھا اور سام بیبرڈا کو انٹیلی جنس نیٹ ورک میں جدید تکنیکی آلات اختیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

بھارتی سیکورٹی کے نئے ڈھانچے پر ابھی سے کوئی رائے قائم کرنا قبل از وقت ہو گا لیکن ایک نظر ضرور نئے نظام جاسوسی پہ دوڑائی جا سکتی ہے اس ضمن میں ملا جلا ریکارڈ ہی زیر بحث لایا جا سکتا ہے گذشتہ چار برسوں کے دوران آئی بی کی کارکردگی پنجاب میں قدرے بہتر ہوئی ہے۔ ۸۴ء میں آپریشن بلیو سٹار کے بعد قریباً پانچ سو نوجوان سکھ سرحد عبور کر کے پاکستان چلے گئے۔ اس صورت حال سے آگاہ ہوتے ہی آئی بی نے اپنے ایجنٹ ان لوگوں میں داخل کر دیے جو خالصتان حمائتیوں کے روپ میں پاکستان پہنچ گئے ان ڈبل کراس خالصتانیوں کی رپورٹوں سے ہی بھارتی حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ پاکستان میں سکھوں کو تربیت دینے کے لیے باقاعدہ تربیتی کیمپ قائم کیے گئے ہیں لیکن عموماً ایسی رپورٹیں غلط ثابت ہوئیں اور اس کھیل میں آئی بی کو اندازے سے بہت زیادہ نقصان بھی اٹھانا پڑا چونکہ جیسے ہی سکھ حریت پسندوں کو اپنے درمیان موجود کسی سرکاری ٹاؤٹ کا شک گزرتا وہ فوراً اس کو مار ڈالتے۔ کئی دفعہ بڑی اہم اطلاع پر اس لیے کارروائی نہیں ہو سکتی تھی کہ اس صورت میں اپنے آدمی کے بے نقاب ہونے کا خطرہ موجود رہتا تھا۔

گذشتہ تین سال سے آئی بی نے سمگلروں کا ایک گروہ بنا رکھا ہے جس کی آڑ میں جاسوسی کا دھندہ کیا جا رہا ہے۔ آئی بی کے جاسوس سمگلروں کے روپ میں باقاعدہ سمگل شدہ سامان کے ساتھ پاکستان میں جاتے ہیں اور واپسی پر اپنے ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دے دیتے ہیں مقامی جاسوسوں کی بھرتی کا سلسلہ زور شور سے جاری ہے۔ ان لوگوں کو کوڈ نام الاٹ کر دیے جاتے ہیں۔ کیمرے اور ہتھیار فراہم کر دیے جاتے ہیں اور ان کے ذریعے حساس نوعیت کے کاغذات اور معلومات تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔

اس آپریشن کے ذریعے آئی بی نے مختلف خالصتان نواز سکھوں کے پاکستان انٹیلی جنس سے تعلقات کے ثبوت حاصل کیے انہی شواہد کی بنیاد پر آج بھی بھارتی انٹیلی جنس کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں سکھوں کی بڑے پیمانے پر تربیت کا کوئی کیمپ موجود ہی نہیں رہا۔ آئی بی کے ایک سینیئر آفیسر کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کو پاکستانی گوردواروں میں صرف عارضی پناہ ملتی ہے اور بس بھارتی حکومت کی طرف سے یہ بات پراپیگنڈہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی کہ خالصتان کا مسئلہ پاکستان نے کھڑا کیا ہے۔ سری لنکا کے متعلق آئی بی کا ریکارڈ کچھ ایسا بہتر نہیں ہے۔ جب بھارتی افواج (آئی پی کے ایف) کو سری لنکا میں داخل کرنے کا مسئلہ زیر بحث آیا تو آئی بی کے ذرائع نے رپورٹ دی کہ ایل ٹی ٹی ای کی نفری ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اس بھارت دشمن گوریلا فوج کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ جب بھارتی فوجیں جافنا میں اتریں تو انہیں احساس ہوا کہ آئی بی نے اس معاملے میں جھک ماری تھی اور ان کی اطلاعات نامکمل اور تباہ کن ہیں۔
یہاں اُترنے کے فوراً بعد بھارتی فوج کو جب اپنے بہت سے جوانوں سے ہاتھ دھونا پڑے تو انھیں آٹے دال کے بھاؤ کا علم ہوا اور بھارتی فوج کو اپنی ساری جنگی حکمت عملی تبدیل کرنا پڑی۔ یہاں ایک اور جنگ شروع ہو گئی جب آئی بی نے اس کا الزام را کے سر تھوپ دیا اور "را" نے اپنا سارا بوجھ ملٹری انٹیلی جنس پر ڈال دیا صورت حال کچھ بھی رہی ہو۔ بہر حال بھارتی فوج کے اس نقصان میں "آئی بی" بھی را کی ساجھی دار ہے۔ اور اس ناکامی کا الزام اس کے سر بھی جاتا ہے۔ را کے لیے تو سری لنکا کا کھیل بڑا ہی تباہ کن ثابت ہوا کیونکہ اس کے تربیت یافتہ سینکڑوں تخریب کار اب بھارتی فوج کی گولیوں کا نشانہ بن رہے ہیں اور خود بھارت کی اس لاڈلی انٹیلی جنس نے اپنے ملک

کی مسلح افواج اور وقار کے لیے ناقابل بیان مشکلات پیدا کر دی ہیں پربھاکرن اس کی بہترین مثال ہے۔ ایجنسی نے اس کی شکل میں اپنا ایک بڑا اثاثہ سری لنکا میں پیدا کر لیا تھا لیکن یہاں لینے کے دینے پڑ گئے اس کے باوجود "را" والے بضد ہیں کہ وہ ان کے کام کا آدمی ہے اور گزشتہ تین چار ماہ سے پربھاکرن کو واپس بلانے کے لیے "را" نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا ہے۔ پربھاکرن کے ساتھ "را" کے مذاکرات کی تفصیلات ایک عرصے تک بھارتی اخبارات میں زیر بحث رہی ہیں اور "را" کے آفیسر این ایل چٹوال نے ایک مرتبہ تو پربھاکرن اور راجیو گاندھی کو مذاکرات کی میز پر بٹھا بھی دیا تھا لیکن راجیو گاندھی اس امتحان میں پورا نہ اتر سکا۔ "را" کا اصرار ہے کہ پربھاکرن کو ہاتھ سے کھونے میں بھارتی مذاکراتی ٹیم کی نااہلی کو زیادہ عمل دخل حاصل ہے اور یہ ان کی نہیں بلکہ مسٹر راجیو گاندھی کی ناکامی ہے۔ را کے آپریشن بنگلہ دیش میں کامیابی کے ساتھ جاری ہیں افغانستان میں وہ خاد کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے اور سندھ پاکستان میں تخریب کاروں کو ہر طرح کی امداد بہم پہنچاتی ہے یہاں کے علیحدگی پسندوں کو "را" کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔
جنوبی ایشیا کے باہر ایک محدود دائرے میں کام کرتی ہے کیونکہ یہاں اس کے سینیئر آفیسر بآسانی غیر ملکی انٹیلی جنس کی نظروں میں آ جاتے ہیں یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں جب بھی کسی بھارتی سفارت خانے میں کسی ایسے فرد کی تعیناتی ہوتی ہے جس کا تعلق وزارتِ خارجہ سے نہ رہا ہو تو وہ غیر ملکی انٹیلی جنس کی نظروں میں مشکوک قرار پاتا ہے امیگریشن کے کمپیوٹرز کا مقابلہ کرنے کے لیے را والے اب اپنے لوگوں کو مختلف بہروپ میں غیر ممالک میں داخل کر دیتے ہیں انہیں سفارت خانوں کے بجائے دوسرے کسی بہروپ میں بھیجا جاتا ہے۔ اس طرح وہ غیر ملکی امیگریشن حکام کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکتے ہیں اور اپنے ہم وطن

لوگوں میں گھل مل کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں یہ قدرے محفوظ اور آسان طریقہ ہے۔

بھارتی انٹیلی جنس کے ریکارڈ میں کچھ شاندار کامیابیاں بھی موجود ہیں جن کو ان ایجنسیوں کے ملازمین بطور مثال پیش کیا کرتے ہیں آئی بی کے لوگ آج بھی پاکستانی سفارت خانہ دہلی سے ایک پاکستانی تھرڈ سیکرٹری کو خریدنے پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔اس غدار سیکرٹری نے آئی بی کو اطلاع دی تھی کہ بھارتی فوج میں موجود ایک کرنل پاکستانی جاسوس ہے ایک روز اس خرید کردہ سیکرٹری نے اپنے آئی بی کے کنٹرولر کو بتایا کہ آج بھارتی فوج کا یہی کرنل جو دراصل پاکستانی جاسوس ہے پاکستانی ایمبیسی میں خفیہ دستاویزات اور تصاویر دینے آرہا ہے آئی بی کے ایجنٹوں نے اس اطلاع پر دہلی میں چانکیہ پوری کے علاقے میں موجود پاکستانی سفارت خانے کو گھیرے میں لے لیا۔سفارت خانے کی طرف جانے والے ہر راستے پر انہوں نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔

گیارہ بجے ایک پاکستانی سفارت کار کے ساتھ آئی بی والوں نے ایک کار میں مطلوبہ کرنل کو سفارت خانے کی طرف آتے دیکھا ان کی بدقسمتی کہ ہوشیار پاکستانی ایجنٹ کو وہاں موجود آئی بی والوں پر شک گزرا اور اس نے کار سفارت خانے کی طرف لے جانے کے بجائے اس کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔تین گھنٹے تک یہ پاکستانی ایجنٹ آئی بی والوں کو نگنی کا ناچ نچاتا رہا بالآخر وہ ان لوگوں کو چکمہ دے کر پاکستانی سفارت خانے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

آئی بی کو رپورٹ مل گئی تھی کہ بھارتی فوج کا کرنل سفارت خانے میں چھپا ہوا ہے دو تین دن تک ان لوگوں نے سفارت خانے کے باہر ڈیرے جمائے رکھے اس دوران پاکستانی ایجنٹوں نے کرنل کو بحفاظت باہر نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے جس پر انہوں نے پاکستانی سفیر

سے مدد کی درخواست کی اور وہ رضامند ہو گئے۔

کرنل کو سفیر کی لیموزین کی ڈگی میں چھپا کر باہر نکالا گیا اور اس کی رہائش گاہ پر پہنچا دیا گیا جہاں سے رات کے پچھلے پہر کرنل آئی بی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔اس میں کچھ شک نہیں کہ پاکستانی انٹیلی جنس نے آئی بی کی دال نہیں گلنے دی لیکن اب آئی بی کے لیے اس کرنل کو تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔انہوں نے فوراً آرمی سے رجوع کیا اور پوچھا کہ ان دنوں کون سا کرنل مسلسل تین روز سے غائب ہے۔

آرمی انٹیلی جنس نے رپورٹ دی کہ متھرا کے رہنے والے ایک کرنل کی بیوی نے گزشتہ تین روز سے اپنے خاوند کے غائب ہونے اور پھر اچانک لوٹ آنے کی اطلاع دی تھی۔آئی بی والوں نے اس کرنل کو قابو کر لیا جس نے تفتیش پر انکشاف کیا کہ وہ گزشتہ چند سالوں سے پاکستان کے لیے جاسوسی کر رہا ہے اس کے لیے طریق کار یہ اختیار کیا گیا تھا کہ وہ متھرا سے بذریعہ ٹرین دہلی آتا جہاں ٹرین ہی میں اس سے کاغذات کوئی پاکستانی ایجنٹ وصول کر لیا کرتا تھا اس طرح ایک ہی رات میں وہ کاغذات سونپ کر واپس اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جایا کرتا تھا۔آئی بی کی بدقسمتی کہ کامیابی کی ایسی مثالیں اس کے پاس پیش کرنے کے لیے بہت کم ہیں کیونکہ اسے زیادہ تر سیاسی جاسوسی کے فرائض انجام دینے پڑتے تھے۔

ایل کے ایڈوانی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے آئی بی کے ایک سینئر افسر کے دفتر میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں مجھے کچھ ٹیپ شدہ باتیں سننے کو ملیں۔یہ بعض سیاسی لیڈروں کی اخباری نمائندوں سے گفتگو کے ٹیپ تھے۔حیرت کی بات تو یہ تھی کہ صدر کے ساتھ سیاسی لیڈروں کی بات چیت کی ریکارڈنگ بھی یہاں

محفوظ تھی اس صورت حال نے مجھے چونکا کر رکھ دیا میں نے یہاں اپنے ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو کی ریکارڈنگ بھی سُنی اور حیران رہ گیا کہ ان لوگوں نے کس صفائی سے میری تمام گفتگو کا ریکارڈ رکھا ہوا تھا اس کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ آئی بی نے سیاسی لیڈروں کی گفتگو ٹیپ کرنے کا ایک وسیع نظام قائم کیا ہوا ہے۔

کے ایل ایڈوانی کی اس بات کی تصدیق بہت سے بھارتی سیاست دان کرتے ہیں خود بھارتی صدر بھی آئی بی سے محفوظ نہیں۔ گیانی ذیل سنگھ نے کہا تھا کہ ان کی ذاتی زندگی بالکل غیر محفوظ ہے اس کا کہنا تھا کہ راشٹرپتی بھون کے کمرے بھی "بگ" تھے اور ان کمروں میں ہونے والی تمام گفتگو لان میں بیٹھے ایجنٹ بآسانی سُن لیا کرتے تھے۔ "ہیگ سکینڈل" نے بعد میں اس بات کا ثبوت بھی فراہم کر دیا کہ کوئی بھارتی سیاست دان آئی بی والوں سے محفوظ نہیں حتیٰ کہ سٹیٹ انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کے ٹیلی فون بھی ٹیپ کیے جاتے ہیں۔ آئی بی کو صرف ۱۰ سیکنڈ کی مہلت کسی بھی ٹیلی فون کو ٹیپ کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کتنے جدید اور حساس ترین انتظامات موجود ہیں۔

ٹیلی فون ٹیپ کرنے کا یہ طریق کار بہت مہنگا ہے اور بھارت جیسا غریب ملک اس کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن یہ محفوظ طریقہ ہے جس پر اعتراض کی کوئی گنجائش بھی نہیں رہتی۔ کاغذات پر کوئی بات لکھی نہیں جاتی اور کوئی ثبوت نہیں رہتا۔

اس کا سیدھا اور عام سا طریقہ تو یہ ہے کہ ٹیلی فون محکمہ کو کسی کی طرف سے فون خراب ہونے کی شکایت ملتی ہے اس شکایت کے ازالے کے لیے آئی بی کا ایک کارندہ ٹیکنیشن کے روپ میں جاتا ہے اور چھوٹا سا سٹینڈ ٹیلی فون میں نصب کر دیتا ہے یہ اتنا معمولی سا آلہ ہے کہ کسی کو احساس بھی نہیں ہو پاتا اور فون "بگ"

ہو جاتا ہے۔ اسی نوعیت کے کچھ "بگ" تو صرف ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو ہی نشر یا ریکارڈ کر سکتے ہیں۔ دوسری طرح کے مخصوص آلات کمرے میں ہونے والی تمام گفتگو سُن سکتے ہیں۔ یہ گفتگو آئی بی کے کسی "سیف ہاؤس" میں ریسیور کے ذریعے سُنی اور ریکارڈ کی جا سکتی ہے اس مقصد کے لیے آئی بی نے دہلی میں وسنت وِہار کالکا اور آنند نکیتن میں اپنے سیف ہاؤس بنا رکھے ہیں۔

ان سیف ہاؤس میں بگ سسٹم اور دیگر خفیہ نوعیت کے معاملات سے نمٹا جاتا ہے۔ یہاں مختلف ایجنٹوں سے معاملات طے پاتے ہیں مطلوبہ لوگوں کو اغوا کر کے لایا جاتا ہے اور ان کی خفیہ تفتیش کی جاتی ہے ان دفاتر کا کوئی ریکارڈ آئی بی میں نہیں رکھا جاتا اور یہاں ہونے والے تمام معاملات کی ادائیگی بھی آئی بی کے خفیہ فنڈ سے کی جاتی ہے۔ بہت سے سیف ہاؤس "آئی بی" کے افسران کی رہائش گاہیں ہیں جن کا کرایہ آئی بی کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔

انٹیلی جنس کے کھیل کا زیادہ تر دارومدار مخالف انٹیلی جنس میں خرید کردہ ایجنٹوں پر ہوتا ہے یا پھر ان ایجنٹوں پر جنہیں مخالف انٹیلی جنس میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ ایسے "چارے" سے ماضی قریب میں سی آئی اے تباہی کے دہانے تک پہنچ گئی تھی۔ ایم آئی فائیو اور ایس آئی ایس آج تک روس کے داخل کردہ ایجنٹوں کے لگائے زخموں کا مداوا نہیں کر پائی۔ انڈین سیکرٹ سروس کو بھی ہر وقت ایسی تباہی کا دھڑکا لگا رہتا ہے شاید بھارتی انٹیلی جنس کو دشمن ایجنٹوں سے کچھ زیادہ ہی ہوشیار رہنا ہو گا کیونکہ بقول سبرامینم سوامی "را" کا صرف ساٹھ فیصد حصہ غیر ملکی طاقتوں کے دباؤ سے آزاد ہے اس میں ۲۵ فی صد کے جی بی اور ۱۵ فی صد سی آئی اے کا عمل دخل ہے۔"

سبرامینم کی یہ بات واقعی سوچنے کے لائق ہے گزشتہ سال "را" کو علم ہوا

کہ سری لنکا آپریشن کا انچارج وی بونی کرشن سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔ اس کے جنسی روابط ایک امریکن جاسوسہ سے بڑے گہرے تھے اسی جاسوسہ کے ذریعے پھر امریکہ نے اس پر ڈالروں کی بارش کی اور اسے اپنے مقاصد کی بجا آوری کے لیے خرید لیا۔ وی کرشن اس وقت مشکوک ٹھہرا جب اس کا شاہانہ انداز زندگی اخبارات میں زیر بحث آیا۔

چند ماہ پہلے بی ایس ایف کو علم ہوا کہ بلوندر سنگھ گیانی جو انڈین انٹیلی جنس کا ایجنٹ ہے دراصل پاکستانی ایجنٹ ہے اور کئی سالوں سے پاکستان کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات وقتاً فوقتاً سامنے آتے ہیں لیکن انہیں دبا دیا جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں صرف عورت اور روپیہ ہی اہم کردار ادا نہیں کرتا سیکورٹی سروسز بیوروکریسی بھی بسا اوقات اس کا باعث بنتی ہے بھارت کے دیگر محکمہ جات کی طرح انٹیلی جنس میں بھی بیوروکریسی کا بہت عمل دخل ہے بسا اوقات مستحق لوگوں کو محروم کر دیا جاتا ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی دوڑ جاری ہے۔ غیر ممالک میں تعیناتی کا سلسلہ اپنی جگہ ہے نالائق لوگ محض سفارش اور دوستیوں کی بنیاد پر اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتے ہیں تو مستحق اور لائق آفیسر خواہ مخواہ احساس محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو بالآخر دیگر انٹیلی جنسوں کے ہتھے چڑھتے ہیں۔

ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کی ملازمت قریب الختم ہوتی ہے اور ان کے سامنے مایوس مستقبل منہ پھلائے کھڑا ہوتا ہے وہ نہیں چاہتے کہ محض ایک آئی پی ایس کی حیثیت سے ریٹائر ہو کر زندگی بسر کریں بلکہ وہ اپنا محفوظ کیریئر اور ریٹائرمنٹ کے بعد ایک اچھی زندگی گزارنے کے خواہش مند بھی ہوتے ہیں ان لوگوں کو ورغلا کر اپنے ڈھب پر لے آنا کچھ ایسا مشکل کام نہیں ہوتا۔ آج راجیو گاندھی تنہائی میں خود سے ضرور یہ سوال دریافت کرتا ہوگا کہ آخر بھارتی انٹیلی جنس کو اس کے دورِ حکومت میں سری لنکا اور دوسرے محاذوں پر اتنی ناکامیوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔

O

مُسلمانوں کی حالتِ زار

دن رات لادینیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والی بھارت کی براہمن سرکار کے ڈھول کا پول یوں تو کبھی کا کھل چکا ہے اور وقتاً فوقتاً بھارت ہی میں موجود کچھ باضمیر لوگ براہمن سرکار کی طرف سے اقلیتوں پر روا رکھے جانے والے مظالم کو "آن دی ریکارڈ" لاتے ہی رہتے ہیں لیکن حال ہی میں عفو عامہ کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹر نیشنل کی طرف سے شائع ہونے والی ایک رپورٹ نے دنیا بھر کے درد دل رکھنے والے باضمیر انسانوں کو چونکا کر رکھ دیا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق اس سال کے اوائل میں یوپی کے ضلع میرٹھ میں بھارتی حکومت کی شہہ پر ہونے والے نام نہاد فرقہ وارانہ فسادات کی آڑ میں بھارتی صوبائی آرمڈ کانسٹیبلری نے درجنوں مسلمانوں کو عمداً قتل کر دیا اور درجنوں کی تو قتل کے بعد لاشیں بھی غائب کر دی گئی ہیں۔ تفصیلات کے مطابق کانسٹیبلری نے جسے میرٹھ میں ہندو مسلم فسادات پر قابو پانے کے لیے بھیجا گیا تھا سینکڑوں مسلمانوں کو گرفتار کر کے ان کو دریاؤں اور نہروں کے کنارے کھڑا کیا اور تہہ تیغ کرنے کے بعد ان کی لاشیں دریا برد کر دیں۔ ایسی ۸۰ لاشیں برآمد ہو چکی ہیں۔ متعدد لاشوں کو نذرِ آتش بھی کیا گیا اس اندوہناک واقعے کی تفصیلات ہمبش پور نامی دیہات کے ایک مسلمان طالب علم کے ذریعے منظرِ عام پر آئیں۔ اس کے بیانات کے مطابق آرمڈ

کانسٹیبلری نے گاؤں کے درجنوں مسلمانوں کو گرفتار کیا اور انہیں گاؤں سے کچھ فاصلے پر واقع شہر کے کنارے ۔۔۔۔ کھڑا کر کے گولیاں مار کر شہید کر دیا۔ ایک گولی اس نوجوان کو بھی لگی لیکن وہ دم سادھے لاشوں کے درمیان پڑا رہا پھر کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اگلے روز کانسٹیبلری نے مسلمانوں کے ایک اور گاؤں ملیانہ پر حملہ کیا اور وہاں مسلمانوں کے بے دریغ قتلِ عام کے بعد لوٹ مار کی اور ان کے گھر نذرِ آتش کر دیے۔

اترپردیش بھارت کا ایسا صوبہ ہے جہاں کے مسلمان جبر و ستم کے باوجود ابھی تک کہیں کہیں معاشی طور پر زندہ ہیں۔ اب ان پر آخری چوٹ لگانے کی تیاری جاری ہے اور ویر بہادر سنگھ جیسے متعصب ہندو ٹھاکر کو راجیو گاندھی نے خاص طور سے یوپی کا وزیر اعلیٰ بنا کر یہاں کی ہندو متشدد تحریکوں کے مردہ جسم میں گویا نیا خون داخل کر دیا ہے۔ اور اب مسلمانوں کو جب جی چاہے یہ فرقہ پرست ہندو معمولی سا بہانہ کر کے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیتے ہیں قاتلوں کی حوصلہ افزائی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی کہ ملیانہ، ہاشم پورہ، اور مظفر نگر میں ہونے والے مسلمانوں کے قتلِ عام کے ذمہ دار ہندو غنڈوں میں مظفر نگر میں حال ہی میں مسلمانوں کے قتلِ عام کی ایک سازش ایک سکھ پولیس کپتان نے سرکاری احکامات کو بالائے طاق رکھ کر ناکام بنا دی۔ واقعات کے مطابق ہندوؤں کی رام لیلا کمیٹی کا صدر کیشو کمار پنچولی جو یہاں خاصا معزز آدمی شمار ہوتا ہے اور کانگریس کا مقامی صدر بھی ہے کے گھر سے بھاری مقدار میں اسلحہ برآمد کر لیا گیا۔ یہ اسلحہ بھی اتفاقاً ہی پولیس کپتان سربندر سنگھ کے ہاتھ لگ گیا مگر تفتیش پر ثابت ہوا کہ یہاں نومبر کے آخر میں مسلمانوں کے قتلِ عام کا پروگرام بنایا جا رہا تھا۔ یاد رہے کہ کیشو کمار رام لیلا کے دوران "رام" کا

پارٹ ادا کرتا ہے اور اس کی ماں شری متی مفیلش یہاں کے مشہور مندر ڈلو دیوتا کی پجارن ہے۔ کپتان سریندر سنگھ نے چونکہ سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا تھا اس کا خمیازہ اسے تبادلہ اور تنزلی کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ بات چونکہ پریس میں آئی تھی اس لیے قتل عام کا پروگرام کچھ عرصے کے لیے ملتوی ہو گیا۔ لیکن یہ ہو گا ضرور کیونکہ ہندو کے منہ مسلمان کا خون لگ چکا ہے۔

یہ واقعہ ۱۲ نومبر کا ہے جس کے بعد سے مسلمانوں کی مساجد میں قریباً روزانہ نجس گوشت پھینکا جا رہا ہے تاکہ انہیں اشتعال دلایا جائے اور اپنے گھناؤنے مقاصد کی راہ ہموار کی جائے۔ بدنام زمانہ شیو سینا اپنے متعصب رہنما بال ٹھاکرے کی سربراہی میں سارے مہاراشٹر کے مسلمانوں کے لیے دہشت کا نشان بن چکا ہے۔ شیو سینا کے درندے جب ان کا جی چاہے سرکاری پشت پناہی سے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی تازہ مثال عید میلاد النبی کو ممبئی میں ہندو فرقہ پرستوں کی طرف سے ہونے والی کارروائی ہے۔ ۶ نومبر کو جب بھارت اور انگلینڈ کے درمیان ورلڈ کپ کھیلا جا رہا تھا اس روز عید میلاد النبی بھی منائی جا رہی تھی ممبئی کے بعض علاقوں میں مسلمانوں نے آتش بازی کی اور پٹاخے وغیرہ چلائے جب یہ آوازیں سٹیڈیم میں پہنچیں تو شیو سینا کے وحشیوں نے وہاں یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مسلمان بھارت کے ہارنے کی خوشی منا رہے ہیں اور نہتے مسلمانوں پر حملے شروع کر دیے ان کی مدد کرتے ہوئے پولیس نے مسلمانوں کے گنجان آباد علاقو کی ناکہ بندی کر لی اور تاثر یہ دیا کہ وہ فرقہ وارانہ فسادات کو روکنا چاہتی ہے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ شیو سینا کے بھیڑیے تو اکا دکا مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے جب کہ مسلمانوں کو پولیس نے محاصرے میں

ے دکھا تھا کہ اپنے بھائیوں کو بچا بھی نہ سکیں۔ پولیس کی فائرنگ سے ۱۴ مسلم نوجوان مارے گئے اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس سے صرف ایک روز پہلے جب لاہور میں پاکستان سیمی فائنل میں آسٹریلیا سے میچ ہارا تو شیو سینا نے ممبئی میں بڑے پیمانے پر آتش بازی کی اور دیوالی کا سا جشن منایا۔ مقصد صرف مسلمانوں کو چڑانا اور اشتعال دلانا تھا مسلمانوں کے قتل عام کے اگلے ہی روز بھارتی اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ خبریں شائع کیں کہ مسلمان بھارت کے انگلینڈ کے ہاتھوں شکست کھانے کا جشن منا رہے تھے حالانکہ یہ عید میلاد النبیؐ کا جشن تھا اور الٹا قصور بھی مسلمانوں کا نکال دیا۔

اجودھیا کی بابری مسجد جو مسلمانوں کے لیے زندگی موت کا مسئلہ بن چکی ہے کے متعلق آپ آئے روز خبریں پڑھتے رہتے ہیں۔ اس مسجد میں ۱۹۴۹ء میں مورتی رکھوا کر پنڈت گوبند بلبھ پنت سرکار اسے عدالت میں مسجد تسلیم کر چکی ہے جب کہ اپنی ہی حکومت کے فیصلے کو رد کرتے ہوئے بھارتی وزیر اعظم بڑی ڈھٹائی سے اسے رام جنم بھومی اور بابری مسجد کا جھگڑا بنانے پر تلے ہوئے ہیں اب ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا ہے کہ اس مسجد کو "قومی یادگار" میں تبدیل کر دیا جائے اور بھارت سرکار اس کے عوض مسلمانوں کو دوسری شاندار مسجد اپنی مرضی کے مطابق تعمیر کر کے دینے کے لیے بھی تیار رہے تاکہ قومی یادگار کو سیاحت کی آڑ میں جوتوں سے پامال کیا جا سکے اور ہندو سادھو اپنی عقیدت کی آڑ میں یہاں مورتیاں سجا کر اسے پھر مندر میں تبدیل کر دیں۔

بات یہاں تک ہی نہیں رہی اب ایک انتہائی خطرناک سازش اس سلسلے میں تیار ہوئی ہے اور مختار عباس نقوی نام کے ایک ملحد کو جو خود کو بھارتیہ مسلم سمیلن کا صدر کہتا ہے ہندو فرقہ پرستوں نے خرید کر ایک گھناؤنی سازش

ساتھ آگے کیا ہے۔ اس ملحد نے ترقی پسند مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ جذبہ خیرسگالی کے تحت بابری مسجد ہندوؤں کے حوالے کر دیں اس بیان کو ہندو اخبارات نے خوب اچھالا ہے خصوصًا ان اخبارات نے جو روزِ اوّل ہی سے اس مسئلے پر شرمناک حد تک جانبداری سے کام لے رہے ہیں۔ مختار عباس نقوی کو بھارت سرکار کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے اور اس نے حال ہی میں یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ ۲۹ نومبر کو وہ اجودھیا میں ترقی پسند نام نہاد بھارتی مسلمانوں کی ایک ریلی منعقد کرے گا۔ جس میں ۱ لاکھ مسلمان شریک ہوں گے۔ اور اس ریلی میں وہ لوگ اس مسجد کو جذبہ خیرسگالی کے طور پر ہندوؤں کے حوالے کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسے بیانات ہندو شرپسندوں کی شیطانی سازش ہے اگر خدانخواستہ یہ ریلی کامیاب ہو گئی تو اس کے بعد پھر ایسی نام نہاد ریلیوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ کیونکہ مختار عباس نقوی اور دیگر ترقی پسند مسلمانوں کو جو مشورے دے رہے ہیں ایسے ہی مشورے غرناطہ کے آخری دور میں فرڈیننڈ کے نمائندے اور کلیسا کے پرچم بردار معتوب اور مقہور مسلمانوں کو دیا کرتے تھے اور ان مشوروں پر عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ ۸ سو برس تک سرزمین سپین پر مسلم حکومت کے باوجود وہاں مسلمانوں کی شناخت کا کوئی نشان بھی نظر نہیں آتا۔ ظاہر ہے ہندو فرقہ پرست بھارت میں غرناطہ کی تاریخ دہرانے کے لیے پر تول رہے ہیں۔

اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ بھارت ایسے سیکولر ملک میں بے شمار غیر مذاہب کی ایسی عبادت گاہیں ہیں جو ہندو راجوں مہاراجوں نے تعمیر کی تھیں اور جن کی زبردست تاریخی اہمیت بھی ہے۔ آخر بھارت کا محکمہ آثارِ قدیمہ انہیں اپنی تحویل میں کیوں نہیں لے رہا اور یہ نظرِ عنایت مسلمانوں پر کیوں کی جا رہی ہے؟ فیملی پلاننگ کی آڑ میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جاتی ہے

ں سلسلے میں مسز اندرا گاندھی کے سورگباشی سپوت سنجے گاندھی خاصی شہرت
کما چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی "سماج سدھار" سکیم کے دوران مسلمانوں کی
بے رحمی سے جبری نسل کشی مسلمان مردوں کی نس بندی کر کے شروع کی
اس پر پریس نے ان کے خوب خوب لتے بھی لیے تھے مسلمانوں کے
اج کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ عالمی دباؤ سے مجبور ہو کر بھارتی حکومت
یہ گھناؤنا کھیل کچھ عرصے کے لیے بند کر دیا تھا جو آج پھر جاری و ساری ہے۔

تقسیمِ ہند کے بعد سے آج تک مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب ہونے
حکومتوں نے ۴۰ سال میں ۲۰ ہزار مرتبہ پی اے سی اور بلوائیوں کی مشترکہ
ت عملی کے تحت مسلمانوں کا قتلِ عام کروایا ہے۔ بھارت میں چھپنے والی
رٹوں کے مطابق ان فسادات میں قریبًا دو لاکھ مسلمانوں کو بے گناہ شہید
ا جا چکا ہے۔ ۲۸ سو کروڑ روپے کی مسلم املاک برباد ہو چکی ہیں۔

۹ ہزار سات سو ۱۷ مساجد پر قبضہ کیا جا چکا ہے۔ شہروں کو خوبصورت
نے کی آڑ میں مسلمانوں کے ہزاروں قبرستان روندے جا چکے ہیں۔ سرکاری
مت سے ان کا نام عملاً کاٹا جا چکا ہے۔ حالتِ نماز میں ان کا قتلِ عام
ل کی بات بن کر رہ گئی ہے۔

بھارت کے صوبہ پنجاب (مشرقی پنجاب) وہ علاقے جنہوں نے مسلمانوں
عروج کو دیکھا تھا تقسیمِ ہند کے بعد کانگریس کے جھوٹے اور بے بنیاد
پیگنڈے کا شکار ہو کر جو مسلمان یہاں رہ گئے تھے آج ان کی حالت شودروں
بھی بدتر ہو چکی ہے۔ مشرقی پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں میں ہزاروں
داد میں مسلمان رہتے ہیں لیکن اپنے دین و ایمان کے ساتھ ساتھ وہ
نے تہذیب و تمدن سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ گردشِ حالات نے

انہیں نرنکاری اور رادھا سوامی جیسی تحریکوں سے وابستہ کر دیا ہے۔ اب یہ نام
نہاد مسلمان سنت نرنکاری سے تنبد بھی لیتے ہیں۔ مسجدیں اگر کہیں ہیں تو وہاں
ماتھا ٹیکا جاتا ہے ہزاروں مساجد میں جانور باندھے جاتے ہیں یا پھر انہیں
مندروں اور گوردواروں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

ان بدقسمت مسلمانوں کی بے بسی اور بے چارگی کا اندازہ انہی لوگوں کو ہے
جنہوں نے انہیں وہاں زندگی بسر کرتے دیکھا ہے۔ اگر سنٹرل یا جنوبی بھارت
سے مسلمان تنظیمیں یہاں آکر ان لوگوں کو مسجدیں آباد کرنے کی ترغیب دیں
تو یہ مسلمان اتنے خوفزدہ ہیں کہ ایسی سوچ سے بھی دُور بھاگتے ہیں۔ اور خوفزدہ
رہتے ہیں کہ گردش ایام کہیں واپس نہ لوٹ آئے۔ حال ہی میں جماعت اسلامی
ہند نے پنجاب کے مسلمانوں کی حالت زار پر ایک سروے رپورٹ شائع کی
ہے جس کے مطابق بھارتی پنجاب کے ضلع لدھیانہ میں دو تین ایسے دیہات ہیں
جہاں مسلمان سکھوں کی طرح کیس رکھتے ہیں اور اپنا طرز رہن سہن بھول چکے
ہیں یا پھر چاہتے ہی نہیں کہ انہیں یاد رہے۔ ان لوگوں نے اپنے نام بھی
سکھوں والے رکھ لیے ہیں۔

ضلع پٹیالہ میں رہے سہے مسلمان نرنکاری بن چکے ہیں اور اپنے گھروں
میں نرنکاری سنت گوربچن اور گورو ہردیو کی تصاویر لٹکاتے ہیں انہیں سجدے
کرتے ہیں۔ باجماعت کھڑے ہو کر شبد کیرتن کرتے ہوئے دعا بھی مانگتے ہیں
یہ جماعت جب یہاں پہنچی اور اس نے نزدیک دُور کے دیہاتوں سے مسلمانوں
کو اکٹھا کر کے نماز جمعہ ادا کی تو مسلمانوں نے بتایا کہ تقسیم ہند کے بعد پہلی مرتبہ
انہوں نے باقاعدہ نماز جمعہ ادا کی ہے۔ پٹیالہ کے نزدیک مالیر کوٹلہ ہے
جہاں مسلمانوں کی آبادی ۶۰ فی صد ہے اور یہاں کے مسلمان اپنا ایک ملی

ن رکھتے تھے۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ یہ بھی سکھوں کی تقلید میں پگڑے
ھنے اور گورو صاحبان کی تصاویر کو ماتھا ٹیکتے ہیں۔

مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ۱۸ کروڑ ہونے کے باوجود ہندو نے انہیں
چالاکی اور مکاری سے گروہ در گروہ تقسیم کر دیا ہے کہ اب وہ اپنی قوم کی
ت تو کیا کریں گے کانگریس اور قوم پرست ہونے کے چکر میں اپنے ہی باؤ
ماڑی چلاتے رہے ہیں۔ ان حالات میں جب سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی
لحج پر ان کا قتل عام جاری ہے اور شیو سینا، جن سنگھ، کرانتی دل، رام لیلا،
بن، ہندو فورس، وغیرہ نام کی متعصب اور خونیں جماعتیں ان کا نام ونشان
نے والی تاریخ دہرا رہی ہیں تو ان مظلوم مقہور مسلمانوں کی نظریں اپنے
رملکی مسلمان بھائیوں کی طرف ہی اُٹھیں گی۔ اس ضمن میں وہ سب سے پہلے
ستان کی طرف دیکھتے ہیں۔ لیکن پاکستانی سرکار کا رویّہ اس سلسلے میں شرمناک
تک بزدلانہ ہے۔ ان بے کس اور بے بس مسلمانوں کے قتل عام پر اب تو
ل احتجاج بھی سُننے کو نہیں ملتا۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے یا پھر گردشِ حالات
ے نام نہاد دانشوروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو یہ کہنے لگا ہے کہ بھارت
ں ہندو بربریت کا نشانہ بننے والے مسلمانوں کے لیے صدائے احتجاج بلند
رکے ہم بھارت کے اندرونی معاملات میں مداخلت کیوں کریں؟ ظاہر ہے یہ
وچ اس وقت ہی جنم لیتی ہے جب ارباب بست وکشاد بزدلی کی حد تک
برنگالی کا مظاہرہ کرنے پہ تلے ہوں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سنٹرل اور جنوبی ہند کے وہ مسلمان جنہوں نے
انتے ہوئے بھی کہ پاکستان ان کا مقدر نہیں ہے مسلم لیگ کی حمایت میں ووٹ
یے تھے آج کیا وہ ہمارے اسی سلوک کے مستحق ہیں جو ہم ان سے روا رکھے

ہوئے ہیں؟ بھارتی مسلمانوں کے ساتھ چانکیہ کے جانشین جو سلوک آج روا رکھے ہ
ہیں اور جن سائنٹیفک لائنوں پر وہ "منوجی سمرتی" کی تعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہ
وہ توسیپین کی تاریخ دہراتے دکھائی دے رہے ہیں۔ اگر ہم نے اب بھی خاموش
اختیار کیے رکھی اور ان بے سہارا مسلمانوں کی حالتِ زار پر مجرمانہ طرزِ عمل اپنا
رکھا تو کچھ عجب نہیں کہ پھر ہماری داستان تک بھی داستانوں میں باقی نہ رہے کہ
ہندو دیو استبداد کے خون کی پیاس تب تک نہیں بجھے گی جب تک خدانخو
ان کی تعلیمات کے مطابق "اکھنڈ بھارت" کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو جائے
اپنے اس خواب کی تکمیل کے لیے بھارت کی براہمن سرکار دنیا کے کم
ضابطہ اخلاق کو خاطر میں نہیں لائے گی۔ جس کا ثبوت غیر مسلم اقلیتوں پر ہو
والے ان مظالم سے بھی مل جاتا ہے۔

سمستی پور کے ٹھیٹھروا گاؤں میں

۱۹۶۴ء میں پنڈت جواہر لال نہرو کے دورِ حکومت میں ممبر پارلیمنٹ نر
انھوں نے بہ بانگِ دہل کہا تھا کہ ہندوستانی اقلیت تلوار کے سایہ میں رہتی
آج ۲۳ برس گزر جانے کے بعد بھی یہ حقیقت سر چڑھ کر بول رہی ہے۔

ہریجنوں کے قتلِ عام کے علاوہ مختلف فرقہ وارانہ فسادات سیلاب کی
تباہ کاری حکومت کی ناکارہ معاشی پالیسی اور کرپشن کے معاملات سے بھارت
فضا تعفن اور گھٹن میں دم توڑ رہی تھی کہ سمستی پور ضلع کے بنتھان تھانہ کے
ٹھیٹھروا گاؤں میں غریب و نہتے انسانوں کی بے بسی کا عبرتناک منظر دیکھنے میں آ
جہاں اکثریتی طبقے کے ذریعہ پولیس کے اشارے پر ۷۰۰ افراد پر مشتمل ا

پوری بستی کو ویران کر دیا گیا۔ مقامی اعداد و شمار کے مطابق ۱۲۰ خاندان مکمل طور پر
تباہ و برباد اور تقریباً سوا سو مکانوں کو زمین بوس کر دیا گیا۔ ۳ اشخاص اور
مئی عورتیں شدید طور پر مجروح ہوئیں ان میں کئی عورتوں کے عضو مخصوص پر
ضرب لگائی گئی ان کے جسموں سے ساڑھیاں کھینچ لی گئیں اور کئی عورتوں کی
سرِعام عصمت دری کی گئی۔

واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ پاس کے گاؤں سے اکثریتی فرقہ سے تعلق
رکھنے والے کسی شخص کی گائے دو چار دنوں سے غائب تھی جو واردات کے
دوسرے دن سکھامن گاؤں کے ایک تیلی کے گھر سے برآمد ہوئی جو کھیت
چرنے کے سبب باندھ رکھی تھی۔ ۱۲ دسمبر ہفتہ کے دن کسی نے مکھیا بند کشوری
رائے جگ موہن، سرپنچ رامیشور رائے، کھٹونہ اور بنتھان تھانہ کے علاوہ
چند شر پسندوں کو بھی یہ اطلاع دی کہ جو گائے غائب تھی اسے ٹھیٹھروا کے
مسلمانوں نے ذبح کر دیا ہے۔ اس افواہ کے گرم ہوتے ہی آن کی آن میں
ایک ہجوم نے ہمراہ مکھیا ٹھیٹھروا گاؤں کو گھیر کر سنگ باری شروع کر دی
جس سے اسحاق اور کئی لوگ شدید طور پر مجروح ہو گئے۔ اسی اثنا میں داروغہ
کے ہمراہ بنتھان تھانہ کی پولیس وارد ہوئی۔ گالیاں بکتے ہوئے بے ہنگم طریقوں سے
گھروں کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے دوران کسی گھر سے کچھ گوشت برآمد ہو گیا پھر
کیا تھا پورا ہجوم پولیس کی موجودگی میں مشتعل ہو کر نوچ کھسوٹ، لوٹ مار اور
غارت گری کے لیے دیوانہ وار ٹوٹ پڑا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر عبدالستار
نامی ایک شخص نے اپنی جان کو ہتھیلی میں لیے اس طوفان کے درمیان جا کر آواز
بلند لوگوں سے یہ فریاد کی کہ لوگو ہم نے کوئی بھی گائے نہیں چرائی ہے پھر بھی اگر
آپ سب کا شک ہم پر ہی ہے تو آپ جو بھی چاہیں مجھے سزا دے لیں لیکن اس

پوری آبادی پر رحم کھائیں ان غریبوں کو برباد نہ کریں ہم آپ کی تجویز کردہ سزاؤں کے سامنے سر ٹیکنے کو تیار ہیں۔

عبدالستار کی دردبھری فریاد نے مجمع کو چند ساعت کے لیے اپنی طرف مائل کر لیا لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ مکھیا سرپنچ اور داروغہ نے مصلحت کو بھانپتے ہوئے چند دیگر لوگوں کے ہمراہ مجمع سے الگ جا کر کچھ گفتگو کی اور پھر واپس مجمع کے درمیان لوٹ کر ستار کو دس ہزار روپیہ جرمانہ کا اعلان سناتے ہوئے رقم فوراً جمع کرنے کا حکم دیا اس کثیر رقم کو سن کر ستار پر لرزہ طاری ہو گیا مکھیا سے کچھ رعایت کے لیے روتے ہوئے اس کے قدموں پر گر گیا لیکن مکھیا نے ایک نہ سنی اور صرف آدھ گھنٹے کی مہلت دیتے ہوئے مجمع کو ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

ستار نے اپنی بے انتہا مفلوک الحالی کے باوجود حوصلے کا دامن نہ چھوڑا اور آدھے گھنٹے کی قلیل مدت میں بھاگ دوڑ کر پانچ ہزار روپیہ جمع کیا اور مکھیا کے قدموں پر ڈالتے ہوئے باقی پانچ ہزار کے لیے چار دنوں کی مہلت چاہی اور جاں بخشی کی اپیل و التجا کی لیکن ظالموں نے ایک نہ سنی روپے کو سمیٹتے ہوئے صرف ۴ گھنٹے کی مہلت دی اور یہ کہا کہ اگر چار گھنٹے کے اندر روپیہ جمع نہیں ہوا تو پوری آبادی کو جلا کر راکھ کر دیا جائے گا۔ داروغہ نے اقلیت کے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔

اس چار گھنٹے میں شرپسندوں نے مکمل طور پر پلان بنا کر اطراف کے دیہاتوں جگ موہرہ، پچھوہیا، بہوا، کھٹونہ، اگولما، تلکیشور ڈیہہ، چکنی، کھٹوہرہ، کوکراہا، گھرہیہ، سوہما، سنوکھر وغیرہ سے شرپسندوں کو بلا کر دن کے ڈھائی بجے مذکورہ تاریخ کو ہی ٹھٹھوا کو گھیر لیا عبدالستار کو اور دیگر لوگوں کو تلاش کیا لیکن سوائے عورتوں اور بچوں کے ٹھٹھوا میں کوئی موجود نہیں تھا۔ جرمانے کے باقی پانچ ہزار کی فراہمی کو ناممکن دیکھ کر لوگوں نے شرپسندوں کی نیت کے مدنظر عورتوں اور بچوں کو

قدرت کے رحم و کرم پر چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا۔

سوا سو گھروں پر مشتمل اس اقلیتی آبادی پر شرپسندوں نے تیر کمان، دیسی پستول، بھالے، برچھے اور مشعلوں کے ساتھ "جے بجرنگ بلی" کا نعرہ لگاتے ہوئے تقریباً دس ہزار لوگوں نے ہلہ بول دیا گھروں سے کھینچ کر عورتوں کے زیورات نوچ لیے گئے ان کے ساتھ کھل کر غیر انسانی و غیر اخلاقی حرکات کا مظاہرہ کیا گیا۔ بے بس عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی اور ان کے جسموں سے ساڑھیاں کھینچ لی گئیں۔ کئی گھروں کو نذرِ آتش کر دیا گیا پوری آبادی کے جانوروں کو ہنکا لیا گیا ایک ایک گھر سے کواڑ، چوکھٹ، کھڑکی، تخت، کرسی، ٹیبل گھروں کے چھپروں سے بانس وغیرہ اور خوردنی اشیاء و دیگر ضروریات زندگی کا سارا سامان صندوق پیٹی وغیرہ کو سمیٹ کر بیل گاڑیوں پر ڈال دیا۔ مکھیا کے لڑکے اور ابیش رائے نامی شخص نے نور محمد صاحب کی بندوق اٹھالی۔ غرضیکہ صرف پچاس گھر دھوبیوں کے باقی رہ گئے اقلیتوں کا سب کچھ لٹ گیا دن کے ڈھائی بجے سے لوٹ مار اور غارت گری کا یہ بازار شب کے ۹ بجے برپا رہا اور دیگر شرپسندوں کے بآواز بلند اس دھمکی پر بند ہوا کہ اگر اس آبادی سے کسی نے آج کے واقعات کی کہیں کوئی چرچا یا شکایت کی یا اعلیٰ حکام تک کوئی خبر پہنچائی گئی اور کسی کا نام بتایا گیا تو پھر سب کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ واقعہ کا سب سے مذموم پہلو یہ ہے کہ ان سارے واقعات کے درمیان پولیس فورس جگ موہرہ میں موجود تھی اور سارے واقعات کی اطلاع اسے مل رہی تھی لیکن وہاں سے جائے واردات کی طرف بڑھنے کی قطعی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ دوسرے دن ڈی ایس پی صاحب دیگر پولیس عملے کے ہمراہ اس کی خبر پا کر جائے واردات پر پہنچنے سے قبل جگ موہرہ کے اسی مکھیا

کے گھر رُکے جو واردات کا بانی اور شرپسندوں کا سرغنہ ہے - وہاں مکھیا سرپنچ اور دیگر فسادیوں کے ہمراہ ناشتہ چائے اور صلاح مشورہ کے بعد کٹھیروا پہنچے جہاں ہر چہار سمت اُجڑے گرے پڑے درودیوار خاکستر ٹیلوں کے علاوہ کچھ بچے اور عورتیں سہمی سہمی نظروں سے سب کو تک رہی تھیں کافی کوششوں کے باوجود کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل پا رہی تھی زخمی اسحاق نے صرف اتنا بتایا کہ یہ سب بتھان کے داروغہ اور مکھیا کے اشارے پر ہوا ہے - پولیس کے فوٹو گرافر نے تصاویر اکٹھی کیں اور ڈی ایس پی صاحب کی ٹیم واپس ہوئی - لوگوں نے بتایا کہ مکھیا نے معاملے کو رفع دفع کرنے کی غرض سے ڈی ایس پی کو بیس ہزار کی تھیلی پیش کی ہے -

تادم تحریر شرپسندوں میں سے کسی کی گرفتاری یا اس سلسلے میں پولیس کی کوئی سرگرمی سُننے میں نہیں آئی ہے نہ ریلیف یا آبادکاری کے سلسلے میں انتظامیہ کی جانب سے کوئی قدم ہی اُٹھایا گیا ہے! انتہائی تعجب خیز بات یہ ہے کہ کٹھیروا کے اطراف میں بڑی بڑی آبادیاں ہیں صلحہ منورہا لادھ وغیرہ جس میں بڑے بڑے لوگوں کے ہوتے کے باوجود نزدیک کی ایک غریب آبادی ظالموں کے ظلم کا شکار ہو گئی - آج کئی دنوں سے بلا آب و دانا کے کڑاکے کی سردی میں کھلے آسمان کے نیچے کٹھیروا کے باشندے رہ رہے ہیں -

بہرکیف کٹھیروا کے اطراف کا پورا علاقہ خوف و ہراس کی فضا میں سانس لے رہا ہے مقامی صحافیوں نے ۱۴؍ دسمبر ۸۷ء کو - کوسی جن جاگرن مورچہ کے رکن حسین آزاد نے ۱۷؍ دسمبر کو واپس آکر ساری موصولہ خبروں کو من و عن درست بتایا اور مزید رونگٹے کھڑے کرنے والے واقعات بھی سُنائے -

مورچہ کی جانب سے ۱۸؍ دسمبر ۸۷ء کو وزیر اعظم ہند وزیر اعلیٰ بہار کے

علاوہ سمستی پور کے ضلع حکام کو ان واقعات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں مکھیا، سرپنچ اور اس کے شرپسند ساتھیوں کو فوراً گرفتار کرنے، بتھان کے داروغہ کو معطل کرنے، مستقبل میں امن و امان بنائے رکھنے، مظلومین کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنے، ان کے لوٹے گئے سرمائے کا معاوضہ دینے اور آبادکاری و ریلیف مہیا کیے جانے کا مطالبہ کیا گیا ہے - نیز مورچہ نے اپنے طور پر کچھ خوردنی اشیاء اور کپڑوں کے انتظام کا فیصلہ کیا ہے جسے کٹھیروا کے عوام تک پہنچایا جائے گا -

تعلیم سے محرومی

۱۹۸۶ء میں قومی تعلیمی پالیسی کی ایک رپورٹ میں یہ المناک اور تکلیف دہ انکشاف کیا گیا تھا کہ بھارت میں مسلمان تعلیمی طور پر سب سے زیادہ پسماندہ ہیں حتیٰ کہ ہریجنوں سے بھی زیادہ پسماندہ۔ اس رپورٹ میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دُور کرنے کی شدید ضرورت پر خاص زور دیا گیا تھا۔ اس رپورٹ نے مسلمانوں کے سنجیدہ حلقوں میں تشویش کی ایک زبردست لہر دوڑا دی تھی لیکن اس المناک صورتِ حال سے مسلم تعلیمی اداروں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ خود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دُور کرنے کا پہلا سنگِ میل ہے وہاں صورتِ حال دن بہ دن ابتر ہوتی جا رہی ہے اور یونیورسٹی کی اعلیٰ کلاسز میں مسلمانوں کا تناسب روز بروز کم ہو رہا ہے حالانکہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب بھی مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا ذکر ہوتا ہے تو بے ساختہ نظریں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب جسے سرسید احمد خاںؒ نے بڑی محنتوں، کاوشوں اور آزمائشوں سے گزر کر تعمیر کیا تھا اور خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دُعا مانگی تھی کہ خدایا میں نے مسلمانوں کو جدید علوم سے آراستہ کرنے کے لیے یہ ایک پودا لگایا ہے تو اسے جلا بخش اس کی ٹہنیوں میں نئے تار و پود کھلا اور اسے ایک ایسا تناور درخت بنا دے

جس کے سایہ میں ہندوستان کے مسلمان ایک باعزت باوقار شہری کی طرح پروان چڑھ سکیں۔ مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ اسی یونیورسٹی میں انتظامیہ کے ذریعہ شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں اور داخلوں کے لیے ایسی پالیسیاں وضع کی گئی ہیں جس سے میڈیکل انجینئرنگ اور دُوسرے اعلیٰ شعبوں میں مسلمانوں کی تعداد دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے گذشتہ برس جب یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین باڈی یونیورسٹی کورٹ کے بعض ممبران نے اس صورتِ حال کے تحت مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ کیا تھا تو وائس چانسلر سمیت یونیورسٹی کی انتظامیہ نے در پردہ اس کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اور ان دنوں جب کہ ریزرویشن کا یہ مطالبہ زور پکڑ رہا ہے تو یونیورسٹی انتظامیہ کی طرف سے اس کی مخالفت میں مضامین شائع کرائے جا رہے ہیں اور ریزرویشن کے سوال کو یونیورسٹی اور مسلمانوں کے لیے سمِ قاتل قرار دیا جا رہا ہے۔

۷۵ فی صد ریزرویشن

یونیورسٹی کے بہی خواہوں اور مسلم طلباء کا مطالبہ ہے کہ یونیورسٹی کے پیشہ ورانہ کورسز مثلاً ایم بی بی ایس، کمپیوٹر سائنس اور انجینئرنگ میں داخلوں کے لیے ۷۵ فی صد نشستیں مسلم طلباء کے لیے مخصوص کی جائیں چونکہ ان کورسز میں مسلم طلباء کا تناسب ۵۰ فی صد سے کم ہے اور یہ مسلسل کم ہو رہا ہے موجودہ صورتِ حال میں مسلم طلباء کا شرح تناسب میڈیکل فیکلٹی میں ۴۷ فیصد اور کمپیوٹر سائنس میں ۴۳ فی صد رہ گیا ہے۔ فی الوقت یونیورسٹی میں مجموعی طور پر مسلم طلباء کا تناسب ۷۲ فی صد ہے جس کے پیشِ نظر مذکورہ اہم ترین شعبوں میں مسلمانوں کا ۵۰ فی صد سے کم تناسب قابلِ تشویش ہے اور اسی کے پیشِ نظر مسلم طلباء کے لیے ۷۵

فی صد ریزرویشن کا مطالبہ کیا جا رہا مگر یونیورسٹی انتظامیہ اور وائس چانسلر کی جانب سے اس مطالبہ کی مخالفت کی کیا وجہ ہے یہ سمجھ میں نہیں آتی۔

ریزرویشن کا موضوع گذشتہ برس اگست میں یونیورسٹی کورٹ کی میٹنگ میں جن مسلم لیڈروں نے اٹھایا تھا ان میں مرکزی وزیر ضیاء الرحمٰن انصاری سید شہاب الدین ایم پی اور سیمان سیٹھ ایم پی شامل تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر جناب بدرالدین طیب جی کی سربراہی میں ایک ۹ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ تیار کر لی ہے اور امکان ہے کہ وہ آئندہ ماہ کورٹ کی میٹنگ میں پیش کر دی جائے گی۔ وائس چانسلر سید ہاشم علی کا کہنا ہے کہ طیب جی کمیٹی کی اس رپورٹ پر کورٹ جو فیصلہ کرے گا وہ اکیڈمک کونسل کے سامنے رکھا جائے گا۔

طلباء کی تحریک

اُدھر یکم جولائی کو یونیورسٹی طلباء یونین کے صدر ڈاکٹر ایس ایم سرور حسین نے وائس چانسلر کے نام ایک خط میں مسلم طلباء کے لیے یونیورسٹی کی اعلیٰ کلاسوں میں ۷۵ فی صد ریزرویشن کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ مسٹر حسین نے اپنے خط میں وائس چانسلر کو لکھا ہے کہ اگر انہوں نے ایک ہفتہ کے اندر اس خط کا جواب نہیں دیا تو اس ظلم و جبر کے خلاف تحریک چلائی جائے گی اور اس تحریک کو طلباء کے ذریعہ حکومت اور ایوان پارلیمنٹ تک لے جایا جائے گا۔

مخالفین کا پروپیگنڈہ

انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس نے اپنی ۳ اگست کی اشاعت میں

"علی گڑھ یونیورسٹی میں ایک نیا موضوع" کے زیر عنوان ریزرویشن کے سوال پر ایک طویل رپورٹ شائع کی ہے جس میں وائس چانسلر اور انتظامیہ کے ریزرویشن مخالف رویہ کی تائید کی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں ریزرویشن کے سوال پر یونیورسٹی سے وابستہ ۸ ذمہ دار افراد کی رائے بھی شامل ہے جو انتظامیہ اور شعبہ تدریس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں یونیورسٹی اسٹاف ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر مسعود عالم، سیکرٹری پروفیسر واسع عثمانی، سائنس فیکلٹی کے ڈین پروفیسر اظہار حسن، ویمنز کالج کی پرنسپل پروفیسر ذکیہ صدیقی، شعبہ سیاسیات کے چیئرمین پروفیسر اے عثمانی، اکیڈمک کونسل کے ممبر پروفیسر کے پی سنگھ نے ریزرویشن کے خلاف اپنی رائے دی ہے جب کہ سول انجینئرنگ کے شعبہ کے چیئرمین پروفیسر شمیم احمد ریزرویشن کے حق میں ہیں۔ مشہور شاعر اور یونیورسٹی میں اُردو کے استاد ڈاکٹر شہریار نے سابق وائس چانسلر کے اس خیال سے اتفاق کیا ہے کہ یونیورسٹی میں صرف دس پندرہ برس کے لیے ریزرویشن کیا جانا چاہیے۔

ریزرویشن کیوں ؟

مسلم یونیورسٹی میں مسلم طلباء کے لیے ۷۵، فی صد ریزرویشن کے سوال کو لے کر اس کی مخالفت میں جو لوگ ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں اُن سے یہ پوچھا جانا چاہیے کہ تعلیمی طور پر سب سے زیادہ پسماندہ فرقہ مسلمان اگر مسلم یونیورسٹی میں بھی اپنے لیے ریزرویشن کا مطالبہ نہ کرے تو آخر کہاں کرے۔ تعصب اور تنگ نظری کے اس اندھیرے میں اگر مسلمانوں کو مسلم یونیورسٹی میں بھی پناہ نہ ملے تو پھر آخر کہاں ملے گی ؟ یونیورسٹی کے اندر اور باہر بعض شرپسند عناصر مسلسل ان کوششوں میں مصروف ہیں کہ کسی طرح مسلم یونیورسٹی اور اس کی

اقدار کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ اور یہ عناصر موقع ملتے ہی اپنا کھیل کھیلنا شروع کر دیتے ہیں ان کے ذریعہ یونیورسٹی کورٹ کو معطل بنا کر رکھ دینے کا حربہ مسلسل بروئے کار لایا جا رہا ہے اب ریزرویشن کے سوال پر بھی یہ لوگ دیوار بن کر کھڑے ہونا چاہتے ہیں اس بات سے کون واقف نہیں کہ مسلمانوں نے زبردست تحریک چلا کر اور تن من دھن کی بازی لگا کر ۱۹۸۱ء میں مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کرایا تھا اور اس ایکٹ میں واضح طور پر یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ یہ یونیورسٹی خصوصاً مسلمانوں کی تعلیمی اور ثقافتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے اس یقین دہانی کے باوجود مسلمان اپنے حق سے آخر کیسے دستبردار ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کیونکر بھول سکتے ہیں کہ یونیورسٹی کے بانی سر سید کا واحد مقصد مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنا اور انہیں ایک باوقار شہری بنانا تھا۔ مسلمانوں نے یونیورسٹی کے اسی کردار کی بحالی کے لیے زبردست تحریک چلائی اور انہیں اس میں پوری کامیابی ملی۔

بھارتی مسلم پرسنل زور مطالبہ کرتا ہے کہ نہ صرف مسلم یونیورسٹی میں مسلمانوں کے لیے ۷۵ فی صد نشستیں مخصوص کی جائیں بلکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ذاکر حسین کالج دہلی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد اور اُن تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مسلمان طلبہ کو فوقیت دی جائے جن کے قیام اور انتظام میں مسلمانوں کی قربانیوں اور ان کی کوششوں کو دخل ہے تاکہ ہندوستانی مسلمان انتہا کو پہنچی ہوئی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے میں پیش رفت کر سکیں۔ یہ وقت کا سب سے اہم تقاضہ ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ سرکاری سطح پر بھی تعلیمی میدان میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ پسماندہ تسلیم کر لیا گیا ہے لہٰذا ان کے لیے بھی اسی طرح ریزرویشن لازمی ہو جاتا ہے جس طرح ملک کے دوسرے تعلیمی اور سماجی طور پر پسماندہ افراد کے لیے ہے

مسلم یونیورسٹی ترمیمی بل

اُدھر ۲۹ر جولائی کو مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر سید شہاب الدین نے پارلیمنٹ میں مسلم یونیورسٹی قانون مجریہ ۱۹۲۰ء میں ترمیم کرنے سے متعلق ایک بل پیش کیا ہے تاکہ یونیورسٹی حکام مختلف کورسوں میں داخلے کے معاملے میں مسلم طلباء کے ساتھ نرم رویہ اختیار کر سکیں۔ بل کے اغراض و مقاصد کے بارے میں سید شہاب الدین نے کہا کہ مختلف اسباب کے تحت یونیورسٹی میں مسلم طلباء کی قابل لحاظ اکثریت ہونی چاہیے تاکہ یونیورسٹی مسلمانوں کے تعلیمی اور ثقافتی فروغ کی آئینی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے انہوں نے کہا کہ مذکورہ قانون میں ۱۹۸۱ء میں ترمیم کی گئی تھی لیکن یونیورسٹی کی کارگزاری میں بعض دشواریاں درپیش ہیں۔

(یوں محسوس ہوتا ہے کہ بھارتی حکومت اب ایک سازش کے تحت مسلمانوں کو تعلیمی لحاظ سے بھی پست قوم بنانے پر تُلی ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا جب مسلمان بھارت میں ہریجنوں سے بھی گھٹیا درجے کی قوم بن کر رہ جائیں گے۔)

اُمت مسلمہ جو خود انتشار و افتراق کا شکار ہے ان بدقسمت مسلمانوں کی مدد کو بھی شاید نہ آئے کیونکہ اُن کے اپنے مسائل ہی روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

O

میرٹھ میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ

میرٹھ۔ اتر پردیش (یوپی) میں مئی ۱۹۸۷ء میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور تناؤ میں شدت کے دوران پراونشل آرمڈ کانسٹبلری (پی اے سی) پر یہ الزام ہے کہ اس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً غیر مسلح شہریوں کو قتل کیا اور کچھ لاشوں کو دریاؤں اور نہروں میں پھینک دیا۔ پی اے سی کو اس لیے طلب کیا گیا تھا کہ ہندو اور مسلم فرقوں کے درمیان تشدد سے نپٹنے میں وہ پولیس کی مدد کرے۔ انہوں نے ان الزامات کی تردید کی ہے جو جمعہ ۲۲ مئی اور سنیچر ۲۳ مئی کے دو مختلف واقعات کے سلسلے میں لگائے گئے ہیں۔

۲۲ مئی کو یہ دیکھا گیا کہ پی۔ اے۔ سی کے لوگ ہاشم پورہ علاقے کے کئی سو لوگوں کو متعدد ٹرکوں میں لے گئے۔ گواہوں نے کہا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو مقامی پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔ لیکن پہلے دو یا تین ٹرکوں میں لے جائے گئے کئی درجن لوگوں کو مراد نگر کے قریب اپر گنگا نہر کے کنارے لے جایا گیا۔ وہاں ان لوگوں کو گولی ماردی گئی اور ان کی لاشوں کو نہر کے پانی میں پھینک دیا گیا۔ مئی کے آخری ہفتہ تک مبینہ طور پر پچاس لاشیں نہر سے دستیاب ہوئیں۔ غازی آباد میں ہنڈن نہر سے مزید ۱۸ لاشوں کا دستیاب ہونا سرکاری

طور پر بھی تسلیم کیا گیا ہے حالانکہ جن ہندوستانی صحافیوں نے مراد نگر اور گرد و نواح کے علاقوں کا دورہ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ سرکاری طور پر جو تعداد تسلیم کی گئی ہے کم از کم اس کی دوگنا تعداد میں لاشیں دستیاب ہوئی ہیں۔ چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ لاشوں کو باوردی مسلح لوگوں نے نہر میں پھینکا تھا۔

اس واقعہ میں جو پانچ افراد جانبر ہو سکے ان میں سے دو نے تصدیق کی ہے کہ باوردی لوگ جن کی انہوں نے یہ نشاندہی بھی کی کہ وہ پی اے سی کے لوگ تھے ان کو مراد نگر میں نہر تک لے گئے تھے۔ اور وہاں پی اے سی کے ان باوردی لوگوں نے ان سب کو گولی ماردی اور ان کی لاشوں کو نہر میں پھینک دیا اب یہ یقین کیا جارہا ہے کہ وہ تمام لاشیں جو پانی سے نکالی گئیں انہیں لوگوں کی ہیں جن کو ہاشم پورہ سے لے جایا گیا تھا حالانکہ ابتدائی رپورٹ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ ہنڈن نہر سے برآمد ہونے والی لاشیں ملیانہ کے مقتولین کی لاشیں تھیں۔

مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے بار بار اس الزام کی تردید کی کہ ذمہ داری پی اے سی پر عائد ہوتی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کو سفارتی عملے کے ایک شخص نے بتایا کہ یہ یقین کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ سماج دشمن عناصر نے بھیس بدلنے کے لیے پولیس کی وردیاں چوری کیں اور ان کو استعمال کیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اس وضاحت کی معقولیت پر یقین نہیں کرتی۔

میرٹھ سے لاپتہ ہونے والے لوگوں پر کیا گزری اس کے متعلق اطلاعات کی تصدیق کرنا مشکل ہے۔ قریبی دریاؤں اور نہروں سے جو لاشیں دستیاب ہوئی ہیں وہ کن لوگوں کی ہیں یہ بات صرف پی اے سی اور پولیس کے لوگوں کے علم میں ہو سکتی ہے۔ جہاں تک ایمنسٹی انٹرنیشنل کو علم ہے کوئی نام شائع

نہیں کیا گیا ایمنسٹی انٹرنیشنل کے پاس ان پانچ آدمیوں کے نام موجود ہیں جو پی اے سی کی مبینہ خفیہ شوٹنگ سے جانبر نہ ہو سکے اور اس نے پیپر میں چند چشم دید گواہوں کے بیانات بھی شامل کیے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے پاس ان ۳۶ آدمیوں کے ناموں کی فہرست بھی ہے جن کو مبینہ طور پر ہاشم پورہ کے علاقہ سے ان ٹرکوں پر لے جایا گیا جن کو پی اے سی کے لوگ چلا رہے تھے اور جو اس کے بعد سے لاپتہ ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کتنی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا گیا یا کتنی لاشیں شناخت کی گئیں۔

ریاستی حکومت نے جرائم کی تحقیقات کرنے والے محکمے (سی۔آئی۔ڈی) کو حکم دیا ہے کہ وہ ہنڈان اور گنگا نہر سے برآمد ہوئی لاشوں کے متعلق تحقیقات کرے۔ تین ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی نے میرٹھ میں ۱۸ مئی اور ۲۲ مئی کے درمیان ہوئے واقعات کی تحقیقات کی۔ بظاہر حکومت یو پی کو کمیٹی کی رپورٹ موصول ہو چکی ہے لیکن کوئی نتیجہ اگست کے مہینے تک سامنے نہیں آ سکا۔ واقعات کی تفصیل پیپر کی دفعہ ۲ میں بیان کی گئی ہیں۔

مزید برآں میرٹھ سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر دور ملیانہ میں ۲۳ مئی کی سہ پہر کو مبینہ طور پر پی اے۔سی کے لوگوں پر جنون سا طاری ہو گیا۔ انہوں نے گھروں کو آگ لگائی۔ غیر مسلح شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اور مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ ۱۶ جلی ہوئی لاشیں ایک کنویں سے دستیاب ہوئیں۔ حالانکہ سرکاری طور پر مرنے والوں کی تعداد ۱۵ بتائی گئی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کو یقین ہے کہ ملیانہ میں کم از کم ۱۳۰ افراد ہلاک ہوئے اور ۲۹ نام ایمنسٹی انٹرنیشنل کے پاس موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ملیانہ اور گرد و نواح کے علاقوں سے جن لوگوں کا لاپتہ ہونا بتایا جاتا ہے ان میں درجنوں افراد کے متعلق متضاد اطلاعات ہیں۔

گاؤں کے لوگوں کو پی اے سی نے قتل کر دیا ہے اور ان کی لاشوں کو یا تو جلا ڈالا ہے یا پوشیدہ طور پر غائب کر دیا ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کا ایک جج اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات کر رہا ہے جس کے متعلق مقامی افسروں کا کہنا ہے کہ وہ گولیوں کے تبادلہ کا ایک معمولی واقعہ ہے جس میں چند افراد ہلاک ہوئے ہیں۔

ہاشم پورہ اور ملیانہ میں جو واقعات ہوئے ان کے متعلق متعدد رپورٹیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس لیے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ان واقعات سے متعلق مختلف اخباروں کی رپورٹوں کا بغور مطالعہ کیا ان صحافیوں سے بات کی جنہوں نے ان علاقوں کا دورہ کیا ہے۔ اور ان واقعات کا شکار ہونے والوں اور چشم دید گواہوں کے بیانات براہِ راست سُنے ان میں کچھ لوگوں نے حلفیہ بیان دیتے ہوئے قتل کی ذمہ دار پی اے سی کو قرار دیا ہے۔ یہ باتیں پیپر میں شامل ہیں اور ان سے ایمنسٹی انٹرنیشنل اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اس بات کے مضبوط ثبوت موجود ہیں کہ پی اے سی کے لوگ مجرمانہ قتل کے اور ۲۲ اور ۲۳ مئی کو میرٹھ کے علاقے میں لوگوں کے لاپتہ ہونے کے ذمہ دار ہیں۔

اس پیپر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرقہ وارانہ فساد کے دوران گرفتار کیے گئے پانچ افراد پولیس کی حراست میں بظاہر مارپیٹ کے نتیجے میں ہلاک ہوئے (دفعہ ۴ دیکھیے)، اس میں پی اے سی کے ان سابقہ ریکارڈوں پر تبصرہ کیا گیا ہے جب کہ وہ امن و قانون کے تحفظ کے لیے طلب کی گئی (دیکھیے دفعہ ۵) اور اس میں حکومت کو کچھ سفارشات بھی پیش کی گئی ہیں (دیکھیے دفعہ ۶)۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کو یقین ہے کہ ان سفارشات پر عمل درآمد آئندہ کے لیے بد اعمالیوں کا سدِ باب کر سکتا تھا۔

پس منظر

یقین کیا جاتا ہے کہ اتر پردیش میں مسلمانوں کی جتنی زیادہ تعداد ہے اتنی کسی دوسری ریاست میں نہیں ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی ۱۵ فی صد ہے میرٹھ کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے اور وہ دارالحکومت نئی دہلی سے ۶۰ کلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے میرٹھ میں مسلم فرقہ کی آبادی کا تخمینہ ۵۴ فی صد ہے۔ یہ شہر پاور لوم۔ دستکاری اور دھاتوں کا سامان تیار کرنے کی شہرت رکھتا ہے ان کاموں میں کاریگر زیادہ تر مسلمان اور کاروبار کرنے والے ہندو ہیں۔

دونوں فرقوں کے درمیان کشیدگی کے نتیجے میں آزادی کے بعد سے اب تک میرٹھ میں ۸ مرتبہ فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ میرٹھ میں ۱۹۶۸ء کے فساد میں دونوں فرقوں کے درجنوں افراد مقتول ہوئے۔ ۱۹۷۳ء اور اکتوبر ۱۹۸۲ء میں پی اے سی پر بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دینے کا الزام لگایا گیا۔ وسط اپریل ۱۹۸۷ء میں دونوں فرقوں کے ۱۲ افراد مقتول ہوئے۔ اس وقت پولیس پر نکتہ چینی کی گئی تھی اس نے فساد کو روکنے کی کوشش نہیں کی اور رپورٹوں کے باوجود کہ دونوں فرقوں کے درمیان کشیدگی کی شدت برقرار تھی وہاں متعین پولیس کی تعداد گھٹا دی گئی۔

رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے معاملے میں اختلاف کی بنا پر شمالی ہندوستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہوا خاص کر فروری ۱۹۸۶ء کے بعد سے جب کہ ایک عدالت نے ہندوؤں کو بابری مسجد میں داخلے کا حق دے دیا جس کو اجودھیا یو پی میں مغل شہنشاہ بابر نے اس مقام پر تعمیر کرایا تھا جس کے متعلق ہندوؤں کا یقین ہے کہ وہ رام کی جنم بھومی ہے۔ اس طرح اس

مقدس مقام پر دونوں فرقوں کا دعویٰ ہے۔

میرٹھ کے فرقہ وارانہ فساد کے تازہ ترین ہنگاموں میں میرٹھ انتظامیہ کی سرکاری رپورٹوں کے مطابق ۱۹۱ افراد ہلاک ہوئے حالانکہ غیر سرکاری اطلاعات میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد اس سے کم از کم دوگنا بتائی گئی ہے۔ ۱۶ مئی کو میرٹھ کوتوالی کے حلقہ میں واقع محلہ کنجیان میں ایک ہندو اچھے شرما کے قتل کے واقعہ کے بعد فساد شروع ہوا۔ بعض رپورٹوں کے مطابق جائداد کے جھگڑے میں یہ قتل ہوا تھا۔ جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ اپریل کے فساد کے دوران ان پر حملہ کرنے میں اس شخص کا ہاتھ تھا۔ دو روز کے بعد رمضان کے روزوں کے دوران جب پولیس ۶ افراد کو گرفتار کرنے کے لیے مسلم علاقہ محلہ املیان میں پہنچی اس وقت فساد پھوٹ پڑا جو بعد میں میرٹھ کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا۔

ایسی رپورٹیں بھی ہیں کہ مسجدوں سے تقریریں کر کے مسلمانوں کو ورغلایا گیا اور پی اے سی پر پتھراؤ کیا گیا جو اس علاقے میں تلاشی لینے پہنچی تھی۔ گرفتاریاں بظاہر کسی امتیاز کے بغیر عمل میں لائی گئیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں نے خود کو بندوقوں اور چھروں سے مسلح کیا۔ تیزاب اکٹھا کیا اور حملہ آور ہو کر گھروں کو آگ لگائی دونوں فرقوں کے افراد کو چھرے گھونپے اور قتل کیا۔

ہاشم پورہ کا علاقہ جہاں کپڑا بننے والے مسلم فرقے کے بہت سے لوگ آباد ہیں خاص طور پر فساد سے متاثر ہوا۔ پولیس اور مقامی انتظامیہ پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ تماشائی بنے کھڑے رہے اور انہوں نے تشدد کی روک تھام کے لیے کچھ نہیں کیا۔ حکم دیا گیا تھا کہ جن لوگوں کے پاس لائسنس کے بغیر اسلحہ ہیں وہ اپنے اسلحہ ضلع انتظامیہ کے حوالے کر دیں لیکن اس دوران فساد پھیل چکا تھا اور اس حکم پر بظاہر

عملدرآمد نہ ہوسکا۔ دو روز تک تشدد جاری رہنے کے بعد ۱۹ مئی کو میرٹھ میں کرفیو لگا دیا گیا اور پی اے سی نے فساد سے نپٹنے کی اہم ذمہ داری سنبھال لی۔ ۶۰ ہزار سے ۷۰ ہزار تک پولیس کے جوانوں کی مدد کے لیے پی اے سی کی ۲۸ کمپنیاں فوج کی ۸ بٹالین اور سنٹرل ریزرو فورس (سی۔ آر۔ پی۔ ایف) کی سات بٹالین لگا دی گئیں۔ مقامی انتظامیہ کے مطابق بہرصورت ریاستی پولیس باضابطہ طور پر انچارج تھی۔ اس کے بعد کے دنوں میں مظالم کے الزامات پی اے سی کے خلاف مرکوز ہیں جو خاص طور پر ہندو نیم فوجی پولیس فورس ہے جس کو حکومت یو پی نے قائم کیا ہے اور جس میں مسلمان صرف تقریباً دو فیصد ہیں۔

اس سے قبل جن موقعوں پر پی اے سی کو فرقہ وارانہ فسادات سے نمٹنے کے لیے طلب کیا گیا ان میں اس کے کردار پر ہندوستانی اخبارات نے شدید اعتراضات کیے ہیں (دیکھیے دفعہ ۵) اس مرتبہ بھی پی اے سی پر یہ الزامات ہیں کہ اس نے ہندوؤں کے ہجوم کی مدد کی اور مسلمانوں اور ان کی جائدادوں پر تشدد آمیز سرگرمیوں میں شریک رہی۔

کرفیو لگنے کے بعد بھی ہجوم مکانوں اور دکانوں کو آگ لگاتے رہے اور متعدد رپورٹوں میں پی اے سی پر یہ الزام ہے کہ وہ یا تو ان ہجوموں میں شامل رہے یا ان کو ورغلاتے رہے۔ قومی اور بین الاقوامی اخباروں کی رپورٹوں کے مطابق پی اے سی نے لوگوں کی بھیڑ پر اور شہریوں پر اندھا دھند فائرنگ کی۔

اخبار "ٹیلیگراف" کلکتہ نے اپنی ۲۱، ۲۴ مئی کی اشاعت میں لکھا ہے کہ ہاپوڑ روڈ میرٹھ میں ٹائروں کی ایک دوکان کے مالک تاج محمد کا بیان ہے کہ پی اے سی کے جوان ان لوگوں کی مدد کر رہے تھے جو دوکانوں کو لوٹ رہے تھے اور آگ لگا رہے تھے۔ جب میں نے یہ کوشش کی کہ میری دوکان جلنے سے بچ جائے تو

انہوں نے مجھے گالیاں دے کر دور دھکیل دیا۔ اس کے بعد وہ لوگ چھتوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے انہوں نے ہم لوگوں پر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔

مکان کی چھت پر سے چلائی جانے والی پی اے سی کی گولی سے ہاشم پورہ کی رہنے والی ایک ۴۳ سالہ عورت بال بال بچی وہ پریس رپورٹر بھی گولی سے بال بال بچا جو اس عورت سے بات کر رہا تھا۔ اس صحافی نے اپنی ۲۴ مئی کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "فائرنگ کسی اشتعال کے بغیر کی گئی۔"

پی اے سی پر یہ الزام بھی ہے کہ اس نے دیدہ و دانستہ لوگوں کو خود ان کے گھروں کے اندر قتل کیا۔ ۲۴ مئی کو اسٹیٹسمین کی رپورٹ کے مطابق پی اے سی والے اور کچھ دوسرے لوگ ۲۱ مئی کو سرائے جینا کے پاریان محلہ کے ایک مکان کے اندر داخل ہوئے اور اس مکان میں رہنے والوں پر گولیاں چلائیں چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ پی اے سی نے ۱۴ سالہ شفیق اور ۱۶ سالہ عقیق کو قتل کر دیا۔

سب سے زیادہ متاثرہ علاقہ ہاشم پورہ کا تھا جہاں مبیّنہ طور پر ۲۲ مئی کی رات میں کئی سو جوان اور ادھیڑ عمر لوگوں کو حراست میں لے کر ٹرکوں پر لے جایا گیا جن کو پی اے سی کے لوگ ڈرائیو کر رہے تھے۔ صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی لیکن کہا جاتا ہے کہ اس رات ۳۰۰ سے ۶۰۰ تک افراد کو گرفتار کیا گیا تھا پیپلز یونین آف ڈیموکریٹک رائٹس (جمہوری حقوق سے متعلق عوامی یونین) نئی دہلی نے موقع پر پہنچ کر تحقیقات کرنے کے بعد بتایا ہے کہ پی اے سی کے لوگ ۶۱۱ افراد کو لے گئے تھے جن میں سے بہتوں کو مارا پیٹا گیا تھا۔

کچھ لوگوں کو جیل لے جایا گیا دوسرے درجنوں لوگوں کے ساتھ کیا ہوا یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔ ان لوگوں کے رشتہ داروں نے حکومت یو پی کو لکھا تھا کہ ان کے متعلق تحقیقات کرائی جائے لیکن حکومت کی جانب سے

کوئی جواب نہیں ملا ۔ گرفتار ہونے والے لاپتہ ہیں ۔ کئی چشم دید گواہوں نے گرفتاری کے متعلق شہادتیں دی ہیں اور کچھ نے پولیس کو رپورٹ بھی دی ہے مثال کے طور پر سراج احمد کے عزیزوں نے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کو درخواست بھیجی جس میں کہا گیا تھا کہ جمعہ ۲۲ مئی ۱۹۸۷ء کی سہ پہر کو سراج احمد ولد شبیر احمد اور شوکت معراج کو پی اے سی کے کانسٹبل لے گئے تھے ۔ شوکت معراج ضمانت پر واپس آگیا لیکن آج تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ سراج احمد کہاں گیا ۔ اگر اس کو حراست میں رکھا گیا ہے تو اس کے خلاف الزام کیا ہے ۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس کے متعلق پتہ لگا کر درخواست دہندہ کو مطلع کریں ۔

دوسرے لوگوں نے گرفتار شدگان کے ناموں کی فہرستیں بھی دیکھیں لیکن ان فہرستوں میں ان کو اپنے عزیزوں کے نام نہیں ملے ۔ نظام الدین کے ایک رشتہ دار نے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کو لکھا تھا کہ ۲۲ مئی ۱۹۸۷ء کو تلاشی لینے والے نظام الدین ولد عبدالشکور کو گرفتار کر کے لے گئے ۔ کرفیو لگے ہونے کی وجہ سے یہ نہیں معلوم کیا جا سکا کہ گرفتاری کے بعد اس کو کہاں لے جایا گیا ۔ کرفیو ختم ہونے کے بعد میں ۹ جون ۸۷ء کو عدالت پہنچا وہاں میں نے گرفتار شدگان کی فہرست کو بغور دیکھا اور مجھے معلوم ہوا کہ نظام الدین ولد عبدالشکور کا نام کسی جیل میں درج نہیں ہے ۔ درخواست دہندہ کو شبہ ہے کہ نظام الدین کو قتل کر دیا گیا ہے اس لیے میری رپورٹ درج کی جائے اور اس بات کی تحقیقات کرائی جائے کہ نظام الدین کا کیا ہوا ۔

کچھ دوسرے لوگوں نے جنہیں گرفتار کیا گیا تھا مقامی پولیس اور پی اے سی کے ان لوگوں کی شناخت کی جو ان لوگوں کو اور ان کو جو لاپتہ ہیں گرفتار کر کے لے گئے تھے ۔ رشتہ داروں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ پی اے سی والوں

نے ان کو گولی مار کر قتل کر دیا ہے اور ان کی لاشوں کو کہیں ٹھکانے لگا دیا ہے ۔ ایک چشم دید گواہ نے جو میرٹھ کا ایک بنکر ہے اور جس کو خود بھی ۲۲ مئی کو گرفتار کیا گیا تھا اس نے بیان کیا ہے کہ ۲۲ مئی ۱۹۸۷ء کی شام کو چار بج کر ۵ منٹ پر ایک مجسٹریٹ مسٹر راہل بھٹناگر ۔ ایک فوجی افسر ستیش اور سورج کنڈ پولیس چوکی کا ایک داروغہ پی اے سی کے ہمراہ میرے مکان پر آئے اور کہا کہ ہم خانہ تلاشی لینا چاہتے ہیں اس لیے گھر کے تمام مرد باہر آ جائیں ۔ میں میرے دو بھائی ۔ نظام کے دو بیٹے شہاب الدین کا بیٹا آصف ۔ جمشید اور شمشاد مکان کے باہر آگئے ۔ تلاشی کے نتیجے میں وہ کچھ برآمد نہیں کر سکے ۔ آصف اور جمشید نے ان سے کہا کہ جب آپ کو کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ملی تو آپ لوگوں کو ہمیں چھوڑ دینا چاہیے ۔ اتنا کہنے پر پی اے سی والوں اور فوجی افسر نے ان کو پیٹنا شروع کر دیا فوجی افسر اور مجسٹریٹ راہل بھٹناگر نے کہا کہ ان لوگوں کو زبردستی گھسیٹ کر ان لوگوں کے ساتھ لے جاؤ جن کو سبق پڑھانا ہے ۔

اس پر پی اے سی والوں اور داروغہ نے ان کو زبردستی گھسیٹا اور ہم سب کو لے گئے ۔ آصف ۔ جمشید اور شمشاد کو مختلف ٹرکوں میں لے جایا گیا جس میں اسی علاقہ کے بہت سے نوجوان پہلے ہی سے موجود تھے ۔ مجھے میرے بھتیجے اور میرے پڑوسیوں اور اسی علاقے کے دوسرے لوگوں کو ٹرکوں میں بھر کر پولیس لائن لے گئے ۔ آصف ۔ جمشید اور شمشاد کو ہم لوگوں کے ساتھ نہیں لے جایا گیا تھا ۔ وہ لوگ ان کو کسی دوسری جگہ لے گئے تھے ۔

جیل سے باہر نکلنے کے بعد تمام سرکاری ریکارڈوں اور مختلف جیلوں میں تلاش کرنے کے بعد بھی ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا ۔ جمشید ۔ شمشاد اور آصف کو متذکرہ بالا افسران تلاشی کے بہانے لے گئے تھے ۔ درحقیقت

انہوں نے اپنے عہدہ کا ناجائز استعمال کرکے ان کو اغوا کیا تھا۔ ان کو قتل کر دیا اور ان کی لاشوں کو پوشیدہ طور پر ٹھکانے لگا دیا۔ آصف کی عمر ۱۹ سال، جمشید کی عمر ۱۸ سال اور شمشاد کی عمر ۱۴ سال ہے۔ شمشاد این اے ایس کالج میرٹھ میں چھٹی کلاس کا طالب علم ہے۔ میرے وہ پڑوسی جنہیں ان کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا اس واقعے کے گواہ ہیں۔ اخبارات پڑھنے کے بعد مجھے شبہ ہوا کہ متذکرہ بالا بے گناہ لڑکوں کو دوسرے بے گناہ لوگوں کے ساتھ گولیوں کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی لاشیں نہروں اور دریا میں ڈال دی گئی ہیں۔ میں ان کے لباس اور ان کے چہروں کی شناخت کر سکتا ہوں۔ ان لوگوں نے میری رپورٹ درج نہیں کی اسی لیے میں آپ کو یہ تحریر بھیج رہا ہوں۔ تینوں لڑکوں کے فوٹو بھی اسی خط کے ہمراہ بھیجے جا رہے ہیں۔

اسی لیے آپ سے درخواست ہے کہ متذکرہ بالا افسروں کے خلاف کارروائی کی جائے اور متذکرہ بالا واقعہ کے سلسلے میں ان کے خلاف کارروائی شروع کی جائے۔

اس سانحہ کے جانبر ہونے والے دو افراد کی مفصل رپورٹیں بھی ایمنسٹی انٹرنیشنل کو موصول ہوئی ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ لاپتہ ہونے والے آدمیوں کو نہر کے کنارے لے جایا گیا تھا۔ کچھ لوگوں کی نشان دہی کے مطابق وہ مراد نگر میں گنگا نہر تھی۔ وہاں پی اے سی کے لوگوں نے ان آدمیوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا اور ان کی لاشوں کو نہر میں پھینک دیا۔ اطلاع ہے کہ مئی کے آخری ہفتے تک پچاس سے زیادہ لاشیں نہر میں بہتی ہوئی پائی گئیں۔ پولیس کے افسر انچارج نے ایک صحافی کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے یہاں کے لوگوں سے انٹرویو لیا تو اس کو گرفتار کر لیا جائے گا پھر بھی صحافیوں نے بعد میں اس سانحہ سے جانبر ہونے والوں سے بات کی ان میں سے ایک، ۷، اسالہ ذوالفقار

ولد عبدالجبار ایک طالب علم ہے جس نے بیان کیا کہ اس کو ایک ایسے ٹرک میں
دیا گیا تھا جس کو پی اے سی والے ڈرائیو کر رہے تھے اس نے یہ بھی بتایا کہ
ٹرک میں ۳۰ سے ۳۵ تک آدمیوں کو لے جایا گیا تھا اور جب ہمارے ٹرک
ہو رہے تھے اس وقت بھی دوسرے ٹرکوں میں لوگوں کو بھرا جا رہا تھا۔ وہ
سے علاقے کے سبھی جوان اور بوڑھے مردوں کو لے جا رہے تھے۔ دیر رات
ہم لوگوں کو ایک نہر کے کنارے اتارا گیا۔ پی اے سی کے تقریباً ایک درجن آدمیوں
آپس میں کچھ صلاح مشورہ کیا اپنی رائفلیں بھریں اور ایک ایک کر کے لوگوں کو
وں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ایک بوڑھے شخص یٰسین کو اور ایک جوان
اشرف کو میری نگاہوں کے سامنے گولیوں کا نشانہ بنا کر قتل کیا گیا۔ اس کا
ہے کہ جب اس کی بغل میں گولی لگی تو اس نے کچھ ایسا ظاہر کیا کہ وہ مر چکا ہو۔
نے اپنی آنکھوں سے مزید دوسرے لوگوں کو قتل ہوتے نہیں دیکھا۔ نہر کے
ایک جھاڑی میں پڑا ہوا خود کو مردہ ظاہر کر رہا تھا۔ اس حالت میں مسلسل
اں چلنے کی آوازیں اور نہر میں لاشوں کے گرنے سے چھپاکے کی آوازیں
ا رہا۔

دو اور افراد مجیب الرحمٰن اور بہار الدین ولد خالد کے سینوں میں گولیاں لگیں
ان کو نہر میں ڈال دیا گیا۔ لیکن بعد میں وہ جانبر ہوئے۔ ان کے جسموں کو جس
نہر میں ڈالا گیا تھا بہاؤ کی جانب اس سے کچھ فاصلے پر مراد نگر پولیس نے
کو نہر سے باہر نکال کر نریندر موہن ہسپتال پہنچا دیا۔ ہسپتال میں ان کو سخت
رے میں رکھا گیا بظاہر ہوم منسٹری کے احکامات کے تحت۔ انہوں نے ایک
ٹریٹ کے سامنے بیان دیے اور ایک نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی —
یب الرحمٰن ولد شبیر انصاری ساکن حلقہ تھانہ بہیڑا ضلع دربھنگہ بہار نے پولیس

کو اپنی پہلی اطلاعی رپورٹ درج کرائی جس کا نمبر ۱۴۱ ہے اس رپورٹ میں اس نے کہا ہے کہ:

"میں گلمرگ سینما میں گیٹ کیپر ہوں ۔ ۲۲ مئی کی شام کو کچھ لوگوں نے جو خاکی وردیاں پہنے ہوئے تھے اور خود کو پولیس والا بتا رہے تھے مجھے گرفتار کر لیا ۔ انہوں نے ہمارے علاقے میں تلاشیاں لیں ۔ ہم میں سے کچھ لوگوں کو پکڑ لیا اور پولیس ٹرک میں بٹھا دیا ۔ مراد نگر جانے والے راستے پر کچھ لوگوں کو گولی مار کر نہر میں پھینک دیا گیا ۔ مجھے میرے دوست عثمان کو اور ایک اور شخص کو جس کا نام میں نہیں جانتا گولیوں کا نشانہ بنا کر نہر میں ڈال دیا گیا لیکن کسی نہ کسی طرح ہم لوگ تیر کر کنارے تک پہنچے اور رینگتے ہوئے پل تک جا پہنچے ایک آدمی نے ہمیں پانی پلایا اور پھر پولیس کو اطلاع دینے کے لیے تھانہ چلا گیا ۔ تقریباً دو ڈھائی بجے کچھ لوگ پولیس اسٹیشن (مراد نگر) سے آئے ۔"

۴ جون کو سی آئی ڈی والوں کی ایک ٹیم گنگا نہر سے دستیاب ہونے والی لاشوں کے متعلق تحقیقات کرنے کے لیے پہنچی ۔ یہ انکوائری ڈپٹی انسپکٹر جنرل جنگی سنگھ کی سرکردگی میں ہونے والی تھی ۔ ۲۸ جون کو مرکزی ادارہ تفتیش (سی ۔ بی ۔ آئی) نے اعلان کیا کہ وہ پکڑ کر لے جائے گئے اور مراد نگر میں گولیوں کا نشانہ بنائے گئے لوگوں میں سے جن پانچ افراد کی جان بچ گئی ہے ان میں سے تین افراد سے انکوائری کرے گی ۔ یہ تین افراد مجیب الرحمٰن ۔ عثمان ولد شبیر احمد اور انور تھے انور بعد میں ہسپتال میں ہلاک ہو چکا ہے ۔ اس تحقیقات کے نتیجے کا ایمنسٹی انٹرنیشنل کو کوئی علم نہیں ہو سکا۔

سرکاری رپورٹوں کے مطابق ۲۵ مئی تک ہنڈن ندی اور نہر سے ۱۸ لاشیں برآمد کی گئیں ۔ زیادہ تر غازی آباد اور میرٹھ کے درمیان برآمد ہوئیں

لاشوں پر بندوق کی گولیوں اور تیز دھار آلات کے زخم موجود تھے ۔ کہا جاتا ہے
۳۰ مئی کو یوپی کے ہوم سکریٹری نے بتایا تھا کہ مراد نگر ۔ غازی آباد اور بلند شہر
ہنڈن نہر سے کل ۲۳ لاشیں دستیاب ہوئی ہیں ۔

پولیس یہ وضاحت کرنے میں ناکام رہی ہے کہ یہ اموات کس طرح ہوئیں
ہندوستانی اخباروں کی رپورٹوں میں مسوری گاؤں کے ان لوگوں کا حوالہ
یا ہے جو اس وقت نہر کے قریب موجود تھے اور جن کا کہنا ہے کہ باوردی لوگوں
یہ لاشیں نہر میں پھینکی تھیں ۔ ۲۵ مئی کو سی آئی ڈی سے ان لاشوں کے متعلق
یقات کرنے کو کہا گیا تھا اس لیے وہی لوگ جانتے ہوں گے کہ لاشیں کس
ت میں دستیاب ہوئیں وہی ان کی شناخت بھی کر سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں کہ
حالات میں ان کی ہلاکتیں ہوئیں ۔ ۱۸ لاشوں کا پوسٹ مارٹم کرایا گیا لیکن
ٹ مارٹم رپورٹ ظاہر نہیں کی گئی ۔ سی آئی ڈی انکوائری کے نتیجے سے
عوام کو آگاہ نہیں کیا گیا ۔ میرٹھ انتظامیہ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ
تیاب ہونے والی لاشوں کا پی اے سی کی کارروائیوں سے تعلق تھا ۔

۳ جون کو حکومت یوپی نے اعلان کیا کہ ایک سہ رکنی کمیٹی (سابق آڈیٹر
ل گیان پرکاش ۔ سابق وائس چانسلر اودھ یونیورسٹی اور پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ
رام کشن پر مشتمل) ۱۸ اور ۲۲ مئی کے واقعات کی تحقیقات کرے گی ۔ اس
ائری میں ملیانہ کے مبینہ قتل کے واقعات شامل نہیں تھے جن کا ذکر دفعہ ۳ میں
۷ اور جو عدالتی تحقیقات کا معاملہ ہے ۔

لیکن ہاشم پورہ میں مبینہ گرفتاریوں اور لاپتہ ہونے کے واقعات انکوائری
ں شامل تھے ۔ کمیٹی نے مبینہ طور پر مظالم کا شکار ہونے والوں اور چشم دید گواہو
تھا دتیں حاصل کیں ۔ امور داخلہ کے وزیر مملکت پی چدمبرم نے کمیٹی کو

ہدایت کی تھی کہ وہ تیس یوم کے اندر اپنی رپورٹ مرکزی حکومت کو پیش کر دے۔ ۲۹ر اگست کی ایک اطلاع کے مطابق ہوم منسٹر کو پرکاش کمیٹی کی رپورٹ موصول ہوگئی۔ اس رپورٹ کو شائع نہیں کرایا گیا۔ حالانکہ ۳ر اگست کے انڈین ایکسپریس میں اپوزیشن کے ایک ممبر کے حوالے سے کہا گیا تھا کہ رپورٹ نے تصدیق کی ہے کہ ہاشم پورہ سے پی اے سی کے ٹرکوں میں ۴۰ تا ۹۰ نوجوانوں کو واقعی لے جایا گیا تھا اور وہ اسی وقت سے لاپتہ ہیں۔

ملیانہ میں ۲۳ر مئی کو پی اے سی کے غیر قانونی اقدامات قتل کی رپورٹ

ناگر کے علاقہ میں ملیانہ گاؤں میرٹھ سے تقریباً دس کلومیٹر مغرب میں واقع ہے ملیانہ کی آبادی تقریباً ۲۵ ہزار ہے جن میں تقریباً ۵ ہزار مسلمان ہیں۔ زیادہ تر غریب ہیں۔ کھیت مزدور یا چھوٹے کسان ہیں۔ بظاہر اس گاؤں کا سابقہ تشدد کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے اور اس وقت کرفیو نافذ نہیں تھا جب سنیچر ۲۳ر مئی کو دوپہر بعد تقریباً دو بجے پی اے سی اس علاقے میں داخل ہوئی تھی۔

سرکاری رپورٹوں میں کہا گیا ہے کہ پی اے سی نے اس وقت فائرنگ شروع کی جب پہلے اس پر چھت پر سے گولی چلائی گئی تھی لیکن اس گاؤں کے باشندوں نے بار بار اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ پی اے سی نے قصداً باشندوں پر جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے بغیر کسی اشتعال کے فائرنگ کی۔ تقریباً سبھی اخباروں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ کوئی ایسی اطلاع شائع نہیں ہوئی جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اس تمام کارروائی کے دوران پی اے سی کا کوئی شخص زخمی ہوا یا اس پر گولی چلائی گئی۔

جو صحافی اس واقعہ کے فوراً بعد ملیانہ گئے اور وہاں چشم دید گواہوں کے انٹرویو لیے ان کے مطابق پی اے سی نے مسلمانوں کے مکانوں کو لوٹا اور آگ لگائی اور ان مکانوں میں رہنے والے کچھ لوگوں کو زندہ جلا ڈالا پی اے سی نے کسی اشتعال کے بغیر اندھا دھند فائرنگ کر کے ملیانہ کے کم از کم ۳۰ باشندوں کو ہلاک کیا۔ ان کی لاشوں کو پی اے سی اُٹھا لے گئی اور خفیہ طور پر ٹھکانے لگا دیا۔ مزید برآں درجنوں افراد ابھی تک لاپتہ بتائے جاتے ہیں۔

چشم دید گواہوں نے بیان کیا ہے کہ ۲۳ر مئی کو دوپہر بعد دو اور ڈھائی بجے کے درمیان پی اے سی ملیانہ میں داخل ہوئی اس کی سربراہی سینئر افسران کر رہے تھے جن میں ۴۴ ویں بٹالین کا کمانڈر بھی تھا انہوں نے گاؤں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اعلان کیا کہ وہ خانہ تلاشیاں لیں گے۔ کچھ دیہاتی بھاگ کر گاؤں کے وسطی حصے میں پہنچ گئے اور ایک شخص کا بیان ہے کہ انہوں نے وہاں ہمارا پیچھا کیا اور چھتوں پر پوزیشن سنبھال لیں۔ انہوں نے گالیاں دیں اور متنبہ کیا کہ اگر ہم لوگ باہر نہ نکلے تو فائرنگ ہوتی رہے گی لیکن جب ہم باہر نکلے تو انہوں نے ہمیں پر فائرنگ شروع کر دی۔ انھوں نے عورتوں اور بچوں کو بھی نہیں بخشا۔

دیگر پریس رپورٹروں کے مطابق پولیس ایکشن کے خلاف کچھ مزاحمت بھی ہوئی اور پی اے سی پر پتھر پھینکے گئے جس پر انہوں نے پوزیشن سنبھال لی اور لوگوں سے یہ کہنے کے بعد کہ وہ گھروں سے باہر نکل آئیں ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ پی اے سی کے خلاف یہ الزام بھی ہے کہ وہ گھروں کے اندر داخل ہوئی۔ گھروں میں رہنے والوں پر گولیاں چلائیں اور پورے کے پورے خاندان کو قتل کر دیا۔

جان بچانے والے ایک شخص کا بیان ہے کہ انہوں نے ہمارے گھروں کو بلا کر راکھ کر دیا۔ انہوں نے میرے بچوں کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا

پھلوں کو پھیری کرنے والے۔ ۳۲ سالہ یاسین کا بیان ہے کہ میں دیکھتا رہا کہ انہوں نے میرے باپ ۶۰ سالہ محمد اکبر کو کلہاڑی سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر ڈالا ان کی لاش کو جلا ڈالا اور گھر کو آگ لگا دی۔

مقامی انتظامیہ نے اس سانحہ کو گولیوں کے تبادلہ کا ایک معمولی واقعہ قرار دیا جس میں چند افراد کی موت واقع ہوئی۔ ہلاک ہونے والوں کی سرکاری طور پر جو تعداد بتائی گئی ہے وہ مختلف ہے اس واقعہ کے بعد کے ہفتہ کے دوران وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ مرنے والوں کی تعداد دس ہے لیکن ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا کہ ۱۲ افراد مقتول ہوئے ہیں۔ جون کے پہلے ہفتہ میں انتظامیہ نے یہ تسلیم کیا کہ ۱۵ افراد مقتول ہوئے ہیں۔ پولیس نے کہا کہ ملیانہ میں کوئی قتل عام نہیں ہوا صرف ۱۵ افراد مقتول ہوئے ہیں۔

ملیانہ میں پائی گئی لاشوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے لیکن ایمنسٹی انٹرنیشنل یقین کرتی ہے کہ ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ۳۰ آدمیوں کو اندھا دھند قتل کیا گیا۔ مقامی باشندوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے ۲۲ لاشوں کو دفن کیا جن میں سے ۱۹ لاشیں ضلع انتظامیہ نے ان کے حوالے کی تھیں۔ اس تعداد کی تصدیق امداد و بحالیات کے ڈپٹی کمشنر گووندن نائر نے کی ہے۔ ۲۷ مئی کو کچھ اور مقتولین کی لاشیں ایک کنوئیں سے دستیاب ہوئیں۔ ان میں محمد علی۔ اس کے بیٹے ستار اس کی دو بیٹیوں اور ان کے بچوں کی جلی ہوئی لاشیں بھی تھیں۔ یہ لوگ دوسرے بیٹے یوسف کی شادی میں شرکت کے لیے آئے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ اور بھی لاشوں کو جلایا اور ٹھکانے لگایا گیا لیکن نہ تو ان کی شناخت ہو سکی ہے اور نہ ان کا سراغ مل سکا۔ امداد و بحالیات کے ڈپٹی کمشنر نے بتایا ہے

کہ ان کو مزید ۳۰ افراد کے کلیم موصول ہوئے ہیں جو ابھی تک لاپتہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لاشوں کی شناخت نہیں ہو سکی کیونکہ وہ یا تو جلی ہوئی تھیں یا لے جائی جا چکی تھیں۔ کچھ لاشوں کے متعلق یہ الزام ہے کہ ان کو پی اے سی لے گئی اور ٹھکانے لگا دیا۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ملیانہ کے ایک موٹر مکینک خورشید احمد نے جس کا گھر جلا ڈالا گیا تھا بتایا ہے کہ پی اے سی ملیانہ کی سرحد پر کھڑے ہوئے ایک ٹرک پر لاشوں کو لاد کر لے گئی۔

یہ پتہ لگانا مشکل ہے کہ لاپتہ ہونے والوں پر کیا گزری۔ کچھ گاؤں والوں کا خیال ہے کہ لاشوں کو قریبی نہر میں پھینک دیا گیا ہے مثال کے طور پر ۶۰ سالہ ادر علی نے کہا میں نے سنا کہ ایک افسر اپنے آدمیوں کو حکم دے رہا تھا کہ "ان (لاشوں) کو لے جاؤ اور نہر میں پھینک دو۔"

۲۸ مئی کو "اسٹیٹسمین" کے مطابق اس بات کے پورے ثبوت ہیں کہ ملیانہ میں پی اے سی نے قتل عام شروع کیا اور اس کی ترغیب دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس الزام کی تصدیق ایک فوجی افسر نے بھی کی ہے جس نے موقع کا معائنہ کیا ہے اس نے اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کیا لیکن کہا جاتا ہے کہ اس نے یقین دلایا کہ وہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ ٹیلیگراف کلکتہ نے بھی نام ظاہر نہ کرتے ہوئے ایک فوجی افسر کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے اس فوجی افسر کا بیان ہے کہ "جو کچھ ہم نے دیکھا اور سنا اس سے ظاہر ہوتا ہے پی اے سی نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا ہے اور ایسی حرکتیں کرنا ان کے لیے غیر معمولی بات نہیں ہے۔" کہا جاتا ہے کہ فوج نے سفارش کی ہے کہ میرٹھ پی اے سی کی تعداد میں کمی کر دی جائے اور اس کو فوراً ہی ملیانہ سے ہٹا یا گیا۔

۲۸ مئی کو حکومت یوپی نے پی اے سی کے کمانڈنٹ آر ڈی ترپاٹھی کو معطل کرنے کا حکم دیا تھا۔ میرٹھ میں ۱۹۸۲ء کے فساد کی رپورٹ میں بھی (جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی) کہا جاتا ہے کہ ترپاٹھی کے خلاف الزام عائد کیا گیا ہے۔

میرٹھ کے افسران نے اس بات کی تردید کی ہے کہ ہنڈن ندی میں جو لاشیں تیرتی ہوئی پائی گئی تھیں وہ ان لوگوں کی ہیں جن کو ملیانہ میں مبینہ طور پر قتل کیا گیا۔ ۲۷ مئی کو اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ نے ملیانہ میں قتل کے واقعات کی عدالتی تحقیقات کا حکم دیا۔ یہ حکم اس کے بعد دیا گیا جب کہ اس سے پہلے مرکزی حکومت کے وزیر داخلہ ان الزامات پر اظہار تشویش کر چکے تھے۔ حکومت نے کہا کہ تحقیقات الٰہ آباد ہائی کورٹ کے ایک جج کے ذریعے کرائی جائے گی اور کمیشن آف انکوائری ایکٹ کے تحت ہوگی۔

حکومت کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ وہ کسی ایسے انکوائری کمیشن کی رپورٹ کو خفیہ رکھے کیونکہ مئی ۱۹۸۶ء میں آرڈی ننس جاری کر چکی ہے جس کے تحت حکومت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ انکوائری کمیشن کی رپورٹ کو پارلیمنٹ یا ریاستی لیجسلیٹو سے پوشیدہ رکھ سکتی ہے۔ حکومت نے کمیشن آف انکوائری ایکٹ ۱۹۵۲ء میں ترمیم کر کے یہ آرڈی ننس جاری کیا جب کہ اس ایکٹ کے تحت حکومت کے لیے ضروری تھا کہ وہ انکوائری کمیشن کی رپورٹ کو لوک سبھا یا ریاستی لیجسلیٹو اسمبلی میں ۶ ماہ کے اندر پیش کرے۔ اور اب ترمیم اور آرڈی ننس کے اجرا کے بعد حکومت کو یہ اختیار ہو گیا ہے کہ وہ انکوائری کمیشن کی رپورٹ کو ملک کے تحفظ و یک جہتی۔ ریاست کے تحفظ۔ غیر ملکوں کے ساتھ دوستی اور مفادِ عامہ کی بنیادوں پر روک سکتی ہے۔ اس آرڈی ننس نے پارلیمنٹ میں منظوری کے بعد اگست ۱۹۸۶ء میں قانون کی شکل حاصل کر لی۔ اس ترمیم کے

بعد حکومت نے سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے قتل کے واقعہ سے متعلق ٹھکر کمیشن کی رپورٹ کو ظاہر کرنے سے روک لیا۔

عدالتی تحقیقات کے لیے حکومت یوپی کے حکم کے مطابق الٰہ آباد ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج جسٹس سر استو کو تحقیقات کرنے کے لیے مقرر کیا گیا لیکن ۲۷ اگست تک تحقیقات شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس تاخیر کی وجہ سے اس تشویش کا اظہار کیا گیا کہ اہم ثبوت ضائع کیے جا رہے ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے پاس ہلاک ہونے والے ایسے ۲۹ آدمیوں کے نام موجود ہیں جن کے متعلق اب تک یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ غیر تشخیص شدہ ہیں۔

پولیس حراست میں متعدد اموات

میرٹھ فساد کے نتیجے میں تقریباً ڈھائی ہزار افراد کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں ایک درجن سے زائد افراد موت کا شکار ہوئے۔ ۳ جون کو موصولہ ایک رپورٹ کے مطابق پانچ افراد میرٹھ ضلع جیل میں اور ۱۳ افراد فتح گڑھ سنٹرل جیل میں گئے۔ جب کہ ۲۵ جون کو سات سو لوگوں کو گرفتار کر کے لے جایا گیا۔ جیل میں ہونے والی ان اموات کی خبر کو سن کر یوپی کے انسپکٹر جنرل قید خانہ جات نے فوری طور پر معاملے کی چھان بین کی اور چار جیل حکام کی فوری طور پر برخاستگی کے احکامات صادر کیے۔

حالانکہ اموات کی وجوہات کے متعلق سرکاری طور پر کوئی وضاحت نہیں کی گئی افسران کے مطابق ان میں سے کچھ قیدیوں کی موت ان زخموں کے باعث ہوئی جو انہیں گرفتار کرنے سے پہلے ان کے جسموں پر تھے جب کہ اخبارات اور دیگر عوامی حلقوں سے موصولہ اطلاعات کے مطابق یہ اموات پولیس اور پی اے سی

کے ہاتھوں بے دردی کے ساتھ پیٹے جانے کے نتیجے میں واقع ہوئیں۔

۲۵، ۲۶ مئی کو فتح گڑھ جیل میں واقع ہونے والی چار قیدیوں کی اموات کے سلسلے میں ایک مجسٹریٹ جانچ شروع ہوئی۔ فرخ آباد کے مجسٹریٹ نے پولیس کی رپورٹ کو غلط ثابت کرتے ہوئے کہا کہ مرنے والوں کو جیل سے باہر یا جیل میں گاؤں والوں کے ذریعے نہیں پیٹا گیا۔ پوسٹ مارٹم میں کہا گیا کہ فساد کے دوران آنے والے زخموں اور چوٹوں کے باعث یہ اموات ہوئی ہیں۔ جہاں تک ایمنسٹی انٹرنیشنل کو معلومات ہے ابھی تک مجسٹریٹ انکوائری اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ..... جاری نہیں کی گئی ہے اس وجہ سے اموات کی وجہ ابھی بھی پوشیدہ ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے پاس اس بات پر یقین کرنے کی کچھ وجوہات یہ بھی ہیں اور کئی شکوک کی بناء پر یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ یہ اموات گرفتاری سے قبل آنے والے زخموں کے باعث ہوئی ہیں کچھ ایسی رپورٹیں ملی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گرفتاری سے قبل پی اے سی کے ذریعہ انہیں بُری طرح پیٹا گیا تھا۔

انڈین پریس کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک ۲۰ سالہ نوجوان دین محمد ولد عبدالماجد ساکن ہاشم پورہ کو ۲۲ر مئی کو تلاشی کے بعد پی اے سی حراست میں لیا ۲۹ر مئی کے ابتدائی گھنٹوں میں اس کے والد کو جیل میں لے جایا گیا جہاں اُسے اپنے بیٹے کی موت کی اطلاع ملی اور اسے حکم دیا گیا کہ صبح سے پہلے وہ اپنے بیٹے کی تجہیز و تکفین کر دے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے پاس ۲۲ر مئی کی دوپہر کو میرٹھ سے گرفتار چار افراد سمیت ایک دیگر فرد کی اموات کی پوری تفصیل ہے جو فتح گڑھ جیل میں پولیس اور پی اے سی کے مظالم کی تاب نہ لاکر انتقال کر گئے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

جمیل احمد دری والا ولد عمر

اُسے ۲۲ر مئی کو پی اے سی کے ذریعہ گرفتار کر کے پولیس لائن لے جایا گیا جہاں اُسے بُری طرح پیٹا گیا ۲۴ر مئی کی رات کو اُسے فتح گڑھ جیل لے جایا گیا۔ پولیس اور پی اے سی کے مظالم کے باعث جیل میں ہی اس کی موت ہو گئی۔ اس کی لاش ۲۷ر مئی کو ہاشم پورہ کے لیے بھیجی گئی۔

محمد حنیف خلف شکیلا

اُسے ۲۲ر مئی کو گرفتار کر کے میرٹھ پولیس لائن لے جایا گیا۔ اس کو تھانہ سول لائن بھیجا گیا اور بعد میں ۲۷ر مئی کو فتح گڑھ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

سلیم صدیقی ولد صدیقی احمد

اُسے ۲۲ر مئی کو گرفتار کر کے پی اے سی کے ذریعہ میرٹھ پولیس لائن لے جایا گیا۔ ۲۷ر مئی کو اسے فتح گڑھ جیل میں منتقل کیا گیا۔

دین محمد ولد عبدالمجید

اُسے ۲۲ مئی کو پی اے سی گرفتار کر کے میرٹھ پولیس لائن لے گئی اور پھر ۲۷ر مئی کو فتح گڑھ جیل بھیجا گیا۔

محمد عثمان ولد عبدالحکیم

۲۲ر مئی کو بعد دوپہر اُسے میرٹھ پولیس لائن لے جایا گیا اور ۲۷ر مئی بروز

بدھ فتح گڑھ جیل لے جایا گیا۔

ان آخری چار افراد کے معاملوں میں یہ بات مُسلّم ہے کہ انہیں تین روز تک کھانے اور پینے کے لیے کچھ نہیں دیا گیا۔ اور لگاتار پولیس اور پی اے سی نے انہیں زدوکوب کیا جس کے نتیجے میں اُن کی موت واقع ہو گئی۔ عید کی شام کو ان کی لاشیں ہاشم پورہ کے لیے روانہ کی گئیں۔

۵۔ پی۔ اے۔ سی

پی اے سی کا ڈھانچہ ملٹری پولیس پر موقوف ہے جسے آزادی سے قبل برطانوی انتظامیہ نے شہری ہنگاموں میں پولیس کی مدد کے لیے قائم کیا تھا۔ آج کل اس میں ۳۲۰۰۰ جوان ہیں جو یو پی حکومت کے ذریعے مقرر کیے گئے ہیں۔ پی اے سی کے قیام کا واحد مقصد فساد زدہ علاقوں میں پولیس کی امداد اور فساد پر قابو پانا ہے اس کے ممبروں کو لاٹھی اور دیگر ہتھیار چلانے کی تربیت دی جاتی ہے۔

یو پی میں ۱۵ فیصد مسلمان ہونے کے باوجود پی۔ اے۔ سی میں صرف ۲ فیصد مسلمان ہیں۔ اونچے عہدوں پر انڈین پولیس سروس کے افسر ہیں۔ پولیس والے پی۔ اے۔ سی میں منتقلی کو جرمانہ یا سزا تصور کرتے ہیں۔ دوسری طرف پی اے سی کے لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ انہیں بہت کم تنخواہیں دی جاتی ہیں۔

پی اے۔ سی کے لوگوں پر فسادات کے دوران اکثر و بیشتر جانبدارانہ رویہ اختیار کرنے کے الزامات عائد ہوتے ہیں جب کہ ان کا فریضہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان فساد کو روکنا ہے۔

پولیس کے خلاف بھی اس قسم کے الزامات عائد کیے جاتے رہے ہیں نیشنل پولیس

کمیشن کی مارچ ۱۹۸۱ء کی چھٹی رپورٹ کے مطابق بہت سے ایسے ثبوت پائے گئے ہیں جب پولیس نے کسی فرقہ وارانہ فساد کے موقع پر کسی ایک طبقے کے ساتھ جانبدارانہ رویّہ اختیار کرتے ہوئے اپنے فرائض کی خلاف ورزی کی ہے۔

بیشتر مواقع پر خود پی۔ اے۔ سی کے لوگ تشدد کے واقعے میں بالواسطہ طور پر ملوث ہو جاتے ہیں اور اقلیتی طبقے کے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ۱۹۷۲ء سے پی۔ اے۔ سی کے نامناسب رویے کی شکایات ملنی شروع ہوئیں۔ بالخصوص ۱۹۷۸ء کے علی گڑھ فساد کے دوران اس کے رویّہ کی زبردست مذمت کی گئی جب اس نے سات نوجوانوں کو بلا کسی قابل قبول وجہ کے ہلاک کر دیا تھا۔

اقلیتی کمیشن نے بھی پی۔ اے۔ سی پر فسادات میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا تھا۔ پی۔ اے۔ سی پر الزام تھا کہ اس نے اگست ۱۹۸۰ء کے مراد آباد فساد کو ہوا دی ہے جس میں ۱۳۰ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے لوٹ مار اور معصوم شہریوں کا قتل بھی کیا۔ اسی قسم کے الزامات ۱۹۸۲ء کے سابقہ میرٹھ فساد کے موقع پر بھی پی اے۔ سی پر لگائے گئے جس میں ایک عمارت میں پناہ گزین ۳۰ افراد کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔

میرٹھ کے ۱۹۸۲ء کے فساد میں متاثرین کا جائزہ لینے کے بعد سابق وزیر اعظم آنجہانی اندرا گاندھی نے فروری ۱۹۸۳ء میں بیان دیا تھا کہ حکومت پی۔ اے سی کے جوانوں کے غلط رویّہ کی مذمت کرتی ہے اور اگر کوئی جوان قصوروار پایا گیا تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج کو انکوائری کا کام سونپا گیا لیکن آج تک اس انکوائری کی رپورٹ اشاعت کے مراحل میں ہے۔

ہندوستانی اخبارات کے مطابق پی۔ اے۔ سی کی غلط کاریوں کی انکوائری

رپورٹیں یا تو نہایت چالاکی سے دبا دی گئیں یا انہیں روک دیا گیا اور عوام کے سامنے نہیں لایا گیا۔ اس قسم کی انکوائریوں کا کوئی نتیجہ ابھی تک سامنے نہیں آسکا ہے۔

سینکڑوں مرتبہ افسران نے حکومت کی توجہ اس طرف دلائی ہے کہ پی اے سی کے جوانوں کی تنخواہوں میں اضافہ ہونا چاہیے اور اس میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتی طبقے کے لوگوں کو بھی مناسب نمائندگی ملنی چاہیے۔ اس قسم کی تجاویز کئی موقعوں پر پیش کی گئیں مثال کے طور پر ۱۹۷۳ء میں پی۔ اے۔ سی کی بغاوت کے موقع پر اور بعد میں قومی یک جہتی کونسل نے بھی پی۔ اے۔ سی کو از سر نو منظم کرنے کی تجاویز پیش کی تھیں۔ اور اقلیتی طبقے کو نمائندگی دینے کی بات کہی تھی۔

نیشنل پولیس کمیشن نے بھی اسی قسم کی تجاویز پیش کی تھیں۔ مارچ ۱۹۸۱ء کی اپنی چھٹی رپورٹ میں کمیشن نے کہا تھا کہ "ہمارے پولیس سسٹم کو بھی ہمارے معاشرے کی طرح ہونا چاہیے۔ جس میں مختلف طبقے، ذات اور نسل کا ملا جلا رنگ ہونا ہے تاکہ پولیس سسٹم بلا کسی اغتیا نہ یا جانبداری کے کام کر سکے۔ اس طرح سے سینئر پولیس افسران بہتر طور پر اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ ایمان داری اور غیر جانب داری کے ساتھ کام کرتے ہوئے اپنے جانبدار ماتحتوں سے سختی سے پیش آئیں تو نہ صرف عوام کا اعتماد انہیں حاصل ہوگا بلکہ فورس کا یقین بھی وہ جیت سکیں گے۔ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں پولیس میں بھرتی کے لیے اقلیتی اور کمزور طبقے کے لوگوں کی بہت سطحوں پر حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔"

۱۸ جنوری ۱۹۸۳ء کو حکومت نے ایک سرکولر جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ معاشرے کے ہر طبقے کی نمائندگی کی بنیاد پر پی۔ اے۔ سی کی اصلاح کی جائے گی۔ ہماری معلومات کے مطابق ابھی تک اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کیا گیا ہے۔

نتیجہ اور تجاویز

ہندوستانی اور بین الاقوامی اخبارات کی رپورٹوں کے تفصیلی جائزے، علاقے کے دوروں، چشم دید گواہوں کے بیانات اور متاثرین کے خیالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ایمنسٹی انٹرنیشنل اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ گذشتہ ۲۲ مئی کو ہاشم پورہ سے ۳۶ لوگوں کی گمشدگی اور اگلے روز ملیانہ میں ۳۰ نہتے شہریوں کے قتل کی واحد ذمہ دار پی اے سی کے ممبران ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے ثبوت بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ فساد کے دوران گرفتار پانچ افراد کی جیل میں موت گرفتاری کے بعد آنے والی چوٹوں کے باعث ہوئی۔

لاپتہ افراد کے خاندان آج بھی اپنے ان درجنوں لوگوں کے بارے میں جاننے اور اصل واقعات سے آگاہ ہونے کے لیے متفکر ہیں۔ جنہیں پی اے سی کے جوان ۲۲ مئی کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔

اقوام متحدہ اس غیر قانونی قتل عام کی مذمت کرتے ہوئے گمشدہ لوگوں کے لیے فکر مندی کا اظہار کرتا ہے اس نے حکومت ہند پر زور دیا ہے کہ اس قسم کے گندے حادثات کو روکنے کے لیے زبردست اقدامات کیے جائیں ۱۹۸۰ء میں یو۔ این کانگریس میں جرائم کی روک تھام اور مجرموں کے ساتھ سلوک کے متعلق ایک تجویز پاس کی تھی جس میں پر زور انداز میں کہا گیا تھا کہ "مسلح دستوں" قانون کا نفاذ کرنے والے اداروں اور حکومت کی دیگر ایجنسیوں کے درمیان شرپسندوں اور مجرمانہ ذہن رکھنے والوں کو باہر کر دینا چاہیے۔"

اقوام متحدہ کا اس بات پر بھی پورا یقین ہے کہ اس قسم کے کاموں سے ایک حد درجہ نفرت انگیز جرم کو راہ ملتی ہے جس کی روک تھام کے لیے عالمی

سطح پر شروعات کرنے کی ضرورت ہے اس لیے ساتویں یو این کانگریس میں تجویز پیش ہوئی کہ تمام حکومتیں اس قسم کے معاملے پر تحقیقات کرائیں اور ان برائیوں کو دور کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کریں اور قصورواروں کو سزا دی جائے اس کے علاوہ اس قسم کے جرائم کو روکنے کے لیے وہ تمام اقدامات کیے جائیں جو ضروری ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل ۲۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو جنرل اسمبلی میں پاس ہونے والے ریزولوشن ۳۳/۱۷۳ کی جانب بھی توجہ دلانا چاہتی ہے " ایمنسٹی انٹرنیشنل دنیا کے مختلف حصوں سے موصولہ افراد کی پر اسرار گمشدگی پر اظہار تشویش کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے بارے میں متعلقہ افراد سے معلومات حاصل نہ ہونے کی دقتوں اور انتظامیہ یا ذمہ دار لوگوں کے ذریعے ان لاپتہ افراد کے بارے میں لاعلمی کے رویّہ پر بھی اظہار تشویش کرتی ہے۔ وہ متاثرین اور ان کے عزیز و اقربا کے درد و غم میں برابر کی شریک ہے۔ یو این جنرل اسمبلی نے حکومتوں سے کہا ہے کہ " وہ لاپتہ افراد کے معاملات اور تلاش میں مؤثر اقدامات کرے اور اس سلسلے میں تیزی سے چھان بین کرائے۔"

حکومتیں اس بات کی یقین دہانی کرائیں کہ قانون کا نفاذ کرنے والی ایجنسیاں اور حفاظتی دستے یا تنظیمیں پوری ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حکومتیں دیگر حکومتوں، اقوام متحدہ کے متعلقہ ترجمان اور عالمی حکومتی تنظیموں کو لاپتہ افراد کی تلاش اور انہیں بزور روکنے والیوں کے خلاف کارروائی کرنے کے کام میں مدد کریں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کو اس بات کا علم ہے کہ مرکزی اور ریاستی حکومت نے ۲۲/۲۳ مئی کو پی اے سی کے جوانوں کے ذریعہ شہریوں کے غیر قانونی قتل عام اور افراد کی گمشدگی کے الزامات کی چھان بین کے ضمن میں اقدامات کیے ہیں۔

یہ چھان بین ایک باقاعدہ انکوائری نہیں کی جا سکتی کیونکہ کسی بھی عدالتی باڈی کے بغیر اسے غیر جانبدار اور مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ ابھی ان انکوائریوں کی کوئی اطمینان بخش رپورٹ شائع نہیں ہوئی ہے۔

ملیانہ میں فائرنگ کا حکم دینے والے پی۔ اے۔ سی کے کمانڈینٹ آر۔ ڈی ترویدی کی برخاستگی کے علاوہ ابھی تک کسی قصوروار کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی ہے۔ اس قسم کے اقدامات کی کمی کے باعث لوگوں کی یہ رائے بن سکتی ہے کہ پی اے سی کا ہر عمل ناقابل سزا ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کا یقین ہے کہ تیز رفتاری اور مؤثر طریقے سے کسی آزاد اور غیر جانب دار تنظیم کے ذریعہ کرائی جانے والی غیر قانونی قتل عام، پولیس مظالم اور افراد کی گمشدگی کے متعلق انکوائری اور اس کی رپورٹ کی اشاعت سے قصورواران کو سزا ملے گی اور عوام میں حکومت کا اعتماد بحال ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ مستقبل میں اس قسم کے گھناؤنے واقعات بھی نہیں دہرائے جائیں گے۔

گزشتہ تجربوں سے یہ بات قطعی واضح ہو گئی ہے کہ اس قسم کی انکوائریوں میں شاید ہی کبھی رپورٹ شائع کی گئی ہو اور یا کسی افسر کو اس کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو۔

تجاویز

ایمنسٹی انٹرنیشنل مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتی ہے۔

۱۔ حکومت یہ طے کرنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کرے کہ ان درجنوں لاپتہ لوگوں کا کیا ہوا جو ۲۲ مئی کو میرٹھ کے ہاشم پورہ علاقہ سے لاپتہ ہوئے اور جنہیں پی۔ اے۔ سی کے ذریعے گرفتار کرتے وقت آخری مرتبہ دیکھا گیا تھا۔

گیان پرکاش کمیٹی کی مکمل رپورٹ شائع ہو۔ ساتھ ہی ساتھ سی۔آئی۔ڈی اور سی۔بی آئی انکوائری کا نتیجہ بھی شائع کیا جائے تا کہ گمشدہ افراد کے بارے میں روشنی پڑے اور اگر اس سلسلے میں سیکورٹی کا عملہ قصوروار ہو تو انہیں فوری طور پر سزا دی جائے اور لاپتہ افراد کے خاندانوں کو مناسب معاوضہ دیا جائے۔

۲۔ حکومت ۲۳ مئی کو ملیانہ میں ہونے والے قتل عام کی انکوائری کی رپورٹ یا عدالتی جانچ کے نتائج شائع کرے۔ اور اگر ایسے ثبوت ملتے ہیں جن سے یہ طے ہوتا ہے کہ بے گناہ لوگوں کے غیر قانونی قتل کی ذمہ داری پی۔اے۔سی پر تھی تو فوری طور پر قانونی کارروائی کی جائے۔ اور متاثرین کے خاندان والوں کو مناسب معاوضہ دیا جائے۔

۳۔ حکومت ۲۴،۲ اور ۲۷ مئی کے درمیانی دنوں میں فتح گڑھ جیل میں ہونے والے پولیس مظالم کی رپورٹ یا مجسٹریٹ انکوائری کے نتائج شائع کرے اور اگر یہ ثابت ہو کہ جیل میں ہونے والی اموات پولیس زیادتیوں کے باعث ہوئیں تو ذمہ داروں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اور ان کے رشتہ داروں کو مناسب معاوضہ دیا جائے۔

۴۔ پی۔اے۔سی پر لگائے جانے والے سنگین الزامات کی روشنی میں اس کی ساخت، اس کے طریقہ کار اور تربیتی امور پر نظر ثانی کی جائے۔ پی۔اے۔سی میں تقرری اور تربیت کے موجودہ طریقے مناسب نہیں کہے جا سکتے۔ گذشتہ کئی مواقع پر حکومت پی۔اے۔سی کے جوانوں کی تنخواہوں میں اضافے اور اس میں اقلیتوں سمیت معاشرے کے ہر طبقے کی نمائندگی جیسے اہم سوالوں کے ساتھ پی۔اے۔سی میں اصلاح کی بات کہہ چکی ہے۔ اس کے علاوہ قومی یکجہتی کونسل بھی اسی قسم کی تجاویز پیش کر چکی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اس بات کا یقین

کرتی ہے کہ حکومت ان تمام تجاویز پر عمل پیرا ہونے کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل پی۔اے۔سی کی تربیت میں بھی اصلاح اور نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتا ہے بالخصوص فساد کے دوران آتش گیر اسلحے کے استعمال کے وقت . . . . زندگی کی حفاظت کا حق دیا جانا چاہیے
اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کی ایک رپورٹ میں جو بلا جواز سزائے موت سے متعلق تھی دنیا کی حکومتوں کو کہا گیا ہے کہ وہ قانون کے نفاذ کے ہر معاملے میں ایسی تربیت دیں جس سے زندگی کے حق پر کوئی آنچ نہ آئے اور وہ زندگی کو ہر ممکن اہمیت دیں۔ حکومت پی۔اے۔سی کو ایسی تربیت دے جس کے باعث وہ صرف آخری مراحل ہی میں آتشیں اسلحے کا استعمال کریں جب اس کے سوا کوئی دوسری صورت باقی نہ رہ جائے۔ فورس کے استعمال کا نتیجہ غیر قانونی قتل، اذیت اور لوگوں کی گمشدگی کی شکل میں برآمد نہیں ہونا چاہیے۔ قانون کا نفاذ کرنے والے افسروں کو تمام ایسے احکامات ٹھکرا دینے چاہئیں جن پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں اس قسم کے گھناؤنے فساد رونما ہوں اس قسم کی تمام فورسیز پر سختی سے نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل یہ تجویز بھی پیش کرتی ہے کہ اس گھناؤنے عمل کے لیے پی۔اے۔سی کے تمام قصورواروں اور ذمہ داروں کے خلاف فوری طور پر قانونی کارروائی کی جائے۔ اور ذمہ دار عہدوں پر فائز تمام قصورواروں کو برطرف کیا جائے۔

بنگلہ دیش میں ہندو ریاست کے قیام کا منصوبہ

کیا ۱۹۷۱ء کی تاریخ دہرائی جائے گی؟

ہندو کی ہوس ملک گیری میں آئے دن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بین الاقوامی پلیٹ فارم سے انسانیت، رواداری اور امن کا راگ الاپنا اور اپنے ہمسایوں کی سالمیت کے لیے خطرہ بنے رہنا ہی دراصل بھارت کی وہ پالیسی ہے جو گزشتہ ۴۰ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ خصوصاً گذشتہ پانچ سال میں اس میں جو شدت اور تیزی آئی ہے وہ نظر انداز کرنے والی بات نہیں بلکہ بھارت کے ہمسایہ ممالک کے لیے ہمیشہ خطرے کی گھنٹی بنی رہتی ہے۔

سری لنکا اور مالدیپ کو اپنے خطرناک عزائم کا نشانہ بنانے کے بعد اب بھارت نے ہمسایہ ملک بنگلہ دیش پر بھی اپنے دانت تیز کرنے شروع کر دیے ہیں اور وہاں ہندو علیحدگی پسندوں کی طرف سے "بنگلہ بھومی" کے حصول کی تحریک شروع کروا دی ہے۔ اس تحریک کے کرتا دھرتا این بی این ایس "نکھل بھنگا ناگرگ سنگھا" کو بھارتی انٹیلی جنس "را" کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے اور یہ تحریک بنگلہ دیشی ہندوؤں کے لیے آزاد اور علیحدہ مملکت کا مطالبہ کر رہی ہے۔

گذشتہ سال ۹ دسمبر کو "این بی این ایس" نے کھلنا اور چٹاگانگ میں اپنی طاقت کا زبردست مظاہرہ کیا جہاں الگ وطن کا مطالبہ کرنے والی ہندوؤں کی

اس انتہا پسند تنظیم نے اپنے پرچم لہرائے جس کے بعد سے مغربی بنگال میں ہندوؤں نے این بی این ایس کے لیے وہی سرگرمی دکھانی شروع کر دی ہے جو کبھی ۱۹۷۱ء میں انہوں نے مکتی باہنی کے لیے دکھائی تھی۔

آرگنائزر کی رپورٹ کے مطابق ان دنوں مغربی بنگال کی سرحد پر خنک موسم کے باوجود فضا میں زبردست تناؤ پایا جاتا ہے خصوصاً مغربی بنگال کے شمال میں ۲۴ پرگنہ ڈسٹرکٹ میں جو بھارت اور بنگلہ دیش کی سرحد ہے علیحدگی پسند ہندوؤں کی سرگرمیاں اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگی ہیں۔ اس آگ کو مزید ہوا ان سینکڑوں ہندو مہاجرین کی آمد سے مل رہی ہے جو آئے روز بنگلہ دیش سے ہجرت کر کے ادھر آ رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف تلاشِ رزق میں کلکتہ نہیں آتے بلکہ انہیں بے گھر کر دیا جاتا ہے۔

مضمون نگار کا کہنا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والے ہندو ہیں جنہیں حسین محمد ارشاد کی "اسلامک سٹیٹ بنگلہ دیش" میں رہنے کی اجازت نہیں ہے۔

خیال رہے کہ جون ۱۹۸۸ء میں جب سے صدر ارشاد نے بنگلہ دیش کا سرکاری مذہب "اسلام" قرار دیا ہے۔ ۴۰ ہزار ہندو ترک وطن کر کے کلکتہ آ چکے ہیں۔

"ہم مسلم بنگال کو تباہ کر کے وہاں آزاد "بنگ بھومی" بنائیں گے"! یہ ہیں وہ زہر آلود الفاظ جو مچلند الپور نامی سرحدی ریلوے سٹیشن پر خیمے لگا کر بیٹھے ہوئے ہندو انتہا پسندوں کی طرف سے اس طرف آنے والے صحافیوں کو بتائے جاتے ہیں۔ یہاں سے آدھ گھنٹے کی ڈرائیو پر" بارا سات "ضلعی صدر مقام موجود ہے۔ ان ہندو انتہا پسندوں کا جو اپنا تعلق "این بی این ایس" سے بتلاتے ہیں دعویٰ ہے کہ ان کی مسلح جدوجہد ضرور آزادی سے ہم کنار ہوگی۔ یہاں کی دیواروں پر ایک ہی نعرہ لکھا ہے:

"ہماری نجات آزاد "بنگا بھومی" میں ہے۔"

بنگلہ دیش کے ہندو جو سرحد کے دونوں اطراف آباد ہیں بہت زور شور سے یہ مہم چلا رہے ہیں اور بھارتی بنگال میں رہنے والے "این بی این ایس" کے کارکن تو بھارت گیر پیمانے پر ہندوؤں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایک باقاعدہ مہم کا آغاز بھی کر چکے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان بنگالی ہندوؤں کی آمدورفت بھارتی علاقوں میں معمول کی بات ہے جہاں انہوں نے بھارتی سرحدی افواج اور انٹیلی جنس کی مدد سے اپنے تربیتی کیمپ قائم کر رکھے ہیں اور یہاں انہیں ہر طرح کی تربیت دی جاتی ہے۔

مضمون نگار کا کہنا ہے کہ گذشتہ چند دنوں سے ان کی آمد میں خاصا اضافہ ہونے لگا ہے اور اس کا واحد سبب صدر حسین محمد ارشاد کی طرف سے بنگلہ دیش کے قانون میں ۸ ویں ترمیم کے ذریعے اس امر کا اضافہ ہے کہ اب بنگلہ دیش کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا۔ جس کے بعد سے بنگلہ دیش کی سیکولر حیثیت کو ختم کر دیا گیا ہے اور اب یہاں ہندو کو کھل کھیلنے کی آزادی میسر نہیں رہی۔

بنگلہ دیش کی تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہندو آبادی نے جو شیخ مجیب الرحمٰن کے برسر اقتدار آنے کے بعد خود کو مستقبل کے بنگلہ دیش کے حکمران جاننے لگے تھے اب آزاد ہندو ریاست کے قیام کے لیے خود کو منظم کرنا شروع کر دیا ہے، علیحدگی پسندوں کے ایک لیڈر شیلندرا رائے نے حال ہی میں انڈین آرگنائزر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

"بنگلہ دیش میں ہندوؤں کے لیے لا اینڈ آرڈر کی صورتِ حال انتہائی تشویشناک ہے ہمیں کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں رہا۔ بنیاد پرست مسلمان

گروپس جیسے "جماعت اسلامی" اور "البدر مسلم" نے ہمارے لیے خوف و ہراس کی ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ اب ہندو من حیث القوم خود کو بنگلہ دیش میں بالکل غیر محفوظ خیال کرتے ہیں۔"

چترنجن مدہا نامی ایڈووکیٹ نے جو کھلنا سے حال ہی میں ترک وطن کر کے مغربی بنگال پہنچا ہے اور جس کا شمار ہندو علیحدگی پسندوں کے لیڈروں میں ہوتا ہے، یہاں "بنگا بھومی" کے لیے زبردست مہم چلائی ہوئی ہے۔ یاد رہے کہ ۸ دسمبر کو چترنجن نے کھلنا میں اپنے گھر پر "بنگا بھومی" کا پرچم لہرایا تھا اور جب پولیس اسے گرفتار کرنے آئی تو وہ بھاگ کر بھارت پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا کہنا ہے کہ "ارشاد حکومت اقلیتوں کے لیے بنگلہ دیش کو غیر محفوظ بنا رہی ہے کیونکہ ہم نے عوامی لیگ کی حمایت کی تھی۔ دوسری طرف صدر ارشاد کی "جنتا پارٹی" نے یہ قانون بنوا دیا ہے کہ جو ہندو فرار ہو کر بھارت جائے گا اس کی جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی جائے گی۔ اس صورتِ حال نے ہندوؤں کی زندگی کو پہلے ہی غیر محفوظ کر دیا تھا اب وہ ڈھنگ سے کوئی کاروبار بھی نہیں کر سکتے۔

"کنتی بودھا سمساد" نامی ہندو مسلح زیر زمین تنظیم کے کمانڈر سبراتا ہالدار کا کہنا ہے کہ سیلاب سے تباہ ہونے والے ایسے دیہات جہاں ہندو کی آبادی زیادہ تھی وہاں حکومت کی طرف سے امداد بہم پہنچانے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ سبراتا نے بنگلہ دیش کی مسلمان پولیس پر بہت گھناؤنے الزام عائد کیے ہیں اس کا کہنا ہے کہ "بنیاد پرست" مسلمانوں کے ہاتھوں ہندو عورتیں بھی محفوظ نہیں ہیں اور جب کوئی ایسی شکایت حکام کے علم میں لائی جاتی ہے تو وہ اس پر کوئی کارروائی بھی نہیں کرتے۔ خیال رہے کہ اس نوعیت کی الزام تراشیاں ۱۹۷۱ء میں بھارتی ذرائع ابلاغ نے پاکستانی فوج کے متعلق بھی کی تھیں اور اب بھی بھارتی انٹیلی جنس "را" اس

تحریک کو بالکل مکتی باہنی کے پیمانے پر چلا رہی ہے اور قریبًا وہی حکمت عملی اختیار کی جا رہی ہے جو ۱۹۷۱ء میں کی گئی تھی۔

"بنگا بھومی" کی علیحدگی پسند تحریک کے لیے ہندوؤں کی قابل ذکر تین زیر زمین تنظیمیں سرگرم عمل ہیں جن میں این بی این ایس کے علاوہ بنگلہ دیش لبریشن آرگنائزیشن (بی ایل او) اور لبریشن ٹائیگرز آف بنگلہ دیش (ایل ٹی بی) شامل ہیں اور یہ تینوں تنظیمیں سرحد کے دونوں اطراف رہنے والی ہندو آبادی کی اکثریت کی حمایت حاصل رکھنے کی دعوے دار ہیں۔

لبریشن ٹائیگرز آف بنگلہ دیش کے نائب کمانڈر آنل کرشنا ملک کا کہنا ہے:

"جب سے صدر ارشاد نے بنگلہ دیش کو اسلامی ملک بنایا ہے ہم یہاں دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ گئے ہیں۔ اگر مسلمان ۱۹۴۷ء اور ۱۹۷۱ء میں الگ ملک کا مطالبہ کر سکتے ہیں تو ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ ہمیں بھی الگ ملک بنانے کا حق حاصل ہے۔"

ملک کی تنظیم بنگلہ دیش کی ایک تہائی زمین پر "بنگلہ بھومی" قائم کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے۔۔۔۔ اس کی وجہ اس کے نزدیک یہی ہے کہ ہندو آبادی کا ایک تہائی حصہ ہیں۔

"این بی این ایس" اس سے بھی ایک قدم آگے ہیں اس نے حال ہی میں "بنگا بھومی" کی نام نہاد ریاست کا ایک نقشہ بھی شائع کیا ہے جس میں مغربی بنگال سے ملحقہ بنگلہ دیش کے چھ ضلعوں کو "بنگا بھومی" دکھایا گیا ہے۔ اس تنظیم نے "بنگا بھومی" کا جھنڈا بھی شائع کر دیا ہے۔ ان کی طرف سے جلا وطن حکومت بھی قائم کر دی گئی ہے جس کا صدر این بی این ایس کے چیف "پارتھا سمانتھا" کو بنایا گیا

ہے جس نے "اعلان سمانتھا" کے نام سے ایک کتاب بھی اس مسئلے پر شائع کر دی ہے
ان لوگوں کی طرف سے ۲۵ مارچ ۱۹۸۹ء کو "بنگا سینا" نامی فوج کی طرف سے باقاعدہ
اعلانِ بغاوت کیا جائے گا اور ان کا دعویٰ ہے کہ کھلنا، جیسور، فرید پور، کشتیا،
...یپال، پاتیوکنالی نامی چھ اضلاع میں وہ بیک وقت علم بغاوت بلند کر کے یہاں "بنگا
بھومی" قائم کریں گے۔

این بی این ایس کا ایک اور سرگرم رہنما ڈاکٹر کالی داس بیدیا جو ۱۹۷۳ء سے بنگلہ دیش
سے فرار ہو کر کلکتہ پہنچ چکا ہے اور اب یہاں بھارتی حکومت کی پشت پناہی سے زیر
زمین تحریک چلا رہا ہے کا کہنا ہے کہ ۱۹۴۷ء کی نام نہاد تقسیم نے ہم ہندوؤں کو تباہ
کر کے رکھ دیا ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ بنگلہ دیش میں ہمیں کوئی نہیں جانتا اور بھارت
کے شہری ہم رہے نہیں۔ ایک ملک کے بغیر ہم اپنی شناخت کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں
ہمیں بہرصورت "بنگا بھومی" حاصل کرنا ہے۔

اپنے اس نام نہاد دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر کالی داس مشہور
بنگالی متعصب مؤرخ ریش چندرا موزمدار کا حوالہ بھی دیتا ہے جس نے بہت عرصہ
پہلے بنگالی ہندوؤں کے لیے "بنگا بھومی" کو ہی واحد نجات کا راستہ قرار دیا تھا۔ اس کے
ساتھ ہی وہ یو این او کے ریزولیشن نمبر ۱۵ کو بھی اپنے دعوے کی دلیل میں استعمال
کرتا ہے۔

گذشتہ سال جون سے این بی این ایس مغربی بنگال کے سرحدی علاقوں میں
ہفتہ وار اور روزانہ کارنر اور سٹریٹ میٹنگز کے ذریعے اپنی زیر زمین تحریک کو متحرک
اور مضبوط کر رہی ہے۔ ان اجلاس میں ہندوؤں کی حاضری روز بروز بڑھتی چلی جا
رہی ہے۔ ان لوگوں کی طرف سے اپنی طاقت کا بہت بڑا مظاہرہ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۸ء
میں سائیکل ریلیوں میں کیا گیا جب "بنگا سینا" کے ہزاروں اراکین نے بھارت کے

سرحدی علاقے مچلندا پور سے بگدا تک ۲۰ کلومیٹر لمبی سرحدی پٹی میں سائیکل ریلی منعقد کی ۔ اس دوران یہ لوگ بنگلہ دیش کی سرحد میں بھی داخل ہوئے اور وہاں " بنگا بھومی " کے بیس جھنڈے نصب کیے ۔

بنگلہ دیش کے شمال میں ۲۴ پرگنہ میں ہندو علیحدگی پسند پوری طرح متحرک ہو چکے ہیں خصوصاً لبریشن ٹائیگرز آف بنگلہ دیش (ایل ٹی بی) کا دعویٰ ہے کہ وہ جلد وسیع پیمانے پر مسلح جدوجہد کا آغاز کر رہے ہیں " بنگا بھومی " کے نام نہاد صدر سما نتھا کا کہنا ہے کہ ہم تو پرامن جدوجہد پر ہی یقین رکھتے ہیں ۔ لیکن ہمیں ہتھیار اٹھانے پر مجبور کر دیا گیا ہے کیونکہ بنگلہ دیش کی سرکار ہمیں صلح صفائی سے ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی ۔ ایل ٹی بی کا دعویٰ ہے کہ سرحد کے دونوں اطراف انہوں نے اپنے کارکنوں کی مسلح تربیت کے لیے کیمپ قائم کر دیے ہیں جہاں ان کی ٹریننگ جاری ہے ۔ بنگلہ دیش کے حکومتی ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق خفیہ پولیس نے علیحدگی پسندوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے اور وہ انہیں کھل کھیلنے کا موقعہ ہرگز نہیں دیں گے ۔ . . . . بنگلہ دیش کی حکومت کی طرف سے متعدد مرتبہ اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ بھارت بنگلہ دیش کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے ۔

کیا تاریخ خود کو دہرائے گی ؟ اور ایک مرتبہ پھر بنگالی عوام کو آگ اور خون کے دریا عبور کرنا ہوں گے ؟ بظاہر اس سوال کا جواب دینا مشکل نہیں کیونکہ بھارتی حکمرانوں کے عزائم کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ دوسری طرف اس خطے میں بھارت کی روز بروز بڑھتی بحری قوت بھی بنگلہ دیش کے لیے مسلسل خطرے کا الارم ہے صورتِ حالات پر نظر رکھنے والے مبصرین اس بات کا خدشہ بھی ظاہر کر رہے ہیں کہ بھارتی خفیہ ایجنسی " را " بنگلہ دیش کے نزدیکی کسی بھی جزیرے پر اس تحریک کا

ہیڈ کوارٹر قائم کر کے بنگلہ دیش میں امنِ عامہ کے لیے سنگین خطرات پیدا کر دے گی کیونکہ " را " کو اس معاملے میں ماضی میں بھی خاصا تجربہ حاصل ہے ۔

مغربی بنگال میں علیحدگی پسندوں نے جو کیمپ اور دفاتر قائم کر رکھے ہیں وہاں سے لٹریچر مسلسل شائع کر کے بنگلہ دیش میں بھیجا جا رہا ہے ۔ مغربی بنگال میں مسلح تخریب کاری کے تربیتی کیمپ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ۔ اس صورتِ حال میں اگر بھارتی حکومت اس علیحدگی کی تحریک سے الگ اپنے پر بضد ہے تو ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے ۔

بنگلہ دیش کی حکومت کو بھارتی حکمران اگر اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ صدر ارشاد نے اس کی حیثیت سیکولر سے اسلامی بنا دی ہے تو شاید یہ سودا اس مرتبہ بھارت کو مہنگا پڑے ۔ ضروری نہیں کہ ہندو نے ماضی میں اپنے بھیانک تجربات سے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں اس مرتبہ بھی نتیجہ اس کی توقع کے مطابق ہی نکلے ۔ بھارتی بنگال کے ہمسایہ صوبے آسام میں علیحدگی پسند تحریک نے جو شدت اختیار کر رکھی ہے اس پر کتنا ہی پردہ ڈال دیا جائے لیکن حقائق کو ہمیشہ کے لیے نہیں چھپایا جا سکتا ۔ بھارتی فوج اور باغی قبائل میں ٹھن چکی ہے اور آئے روز طرفین کو جانی نقصان اٹھانا پڑتا ہے ۔

میزورام اور ناگا لینڈ کی صورتِ حال اس سے سوا ہے ۔ گورکھا لینڈ کا مسئلہ ایک مرتبہ پھر سر اٹھانے لگا ہے جب کہ بنگال ہی میں نکسل باڑی کی تحریک کے دوبارہ متحرک ہونے کی نشاندہی بھارتی اخبارات کی طرف سے ہوتی رہتی ہے دوسری طرف خالصتان تحریک اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہے ۔ ایسے ملک کو جس میں بیک وقت اتنی تعداد میں علیحدگی پسند تحریکیں چل رہی ہوں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ہمسایوں کے معاملات میں مداخلت کرے ۔ لیکن لگتا یہ ہے کہ مالدیپ اور سری لنکا میں جو لہو

بھارت کے منہ کو لگ چکا ہے اب اس کی چاٹ ہی بھارت کو بنگلہ دیش میں مداخلت پر مجبور کر رہی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سارک ممالک کی تنظیم بھارت کی اس مداخلت کا سختی سے نوٹس لے اور چھوٹے ممالک مل کر اس کے خلاف مشترکہ اقدام کریں اگر ایسا نہ کیا گیا تو براہمنی عفریت ایک ایک کر کے سب کو ہڑپ کر جائے گی کیونکہ اس نے اب اپنی چادر سے پاؤں نکال کر افغانستان کی طرف بھی للچائی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔

اطلاعات کے مطابق افغانستان میں بھارتی مشیروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور افغانی وزیر خارجہ عبدالوکیل کا موجودہ دورہ بھارت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ان حالات میں سارک تنظیم کے باقی ممالک کیا حکمت عملی اختیار کرتے ہیں اور اس "دیو استبداد" کو روکنے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈالنے کی کیا سبیل اختیار کی جاتی ہے اس خطے میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے اس ضمن میں باقاعدہ حکمت عملی اختیار کرنا ناگزیر ہو چکا ہے اگر اسی طرح بھارت کو اس خطے کے ممالک میں مداخلت کرنے کی کھلی چھٹی ملی رہی تو نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا کا امن بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

اس ضمن میں سپر پاورز پر بھی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے افغانستان میں ایک طویل اور تھکا دینے والی لڑائی کا خاتمہ ہوا ہے جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ اب یہ خطہ انسانی خون کی مزید ہولی کھیلنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

جھاڑکھنڈ تحریک

اس تحریک کا آغاز ۳۹ء میں ہوا تھا
۷۴ فیصد آبادی نے ہتھیار اٹھالیے ہیں

جھاڑکھنڈ کی علیحدہ مملکت کا مطالبہ مقامی باشندے گزشتہ نصف صدی سے کرتے آرہے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں سب سے پہلے اس تحریک نے سر اٹھایا اور حکومت برطانیہ نے اسے بغاوت جان کر کچل دیا۔ آزادی ملنے کے بعد اس تحریک کا ذکر پہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء میں اخبارات میں سننے کو آیا جب جے پال سنگھ کی کمان میں جھاڑکھنڈ پارٹی منظم ہوئی۔ ۱۹۶۳ء میں جے پال سنگھ نے کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی اور سرکار دربار میں بڑا عہدہ حاصل کرنے کے بعد حکومت سے طے شدہ معاہدے کے مطابق اپنی زبان بھی بند کر لی۔ اس کے بعد ۱۹۷۰ء کے عشرے تک تحریک پر جمود طاری رہا لیکن ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخر میں قبائلی لیڈر شبو سورن نے جھاڑکھنڈ مکتی مورچہ (جے ایم ایم) قائم کر کے جھاڑکھنڈ کی مکمل آزادی کا نعرہ بلند کیا تو سرکاری ایوانوں پر لرزہ طاری ہونے لگا۔ ہند سرکار نے اپنا روایتی حربہ آزمایا۔ اور ۱۹۸۰ء کے لوک سبھا کے انتخاب میں جے ایم ایم نے کانگریس سے انتخابی اتحاد کر لیا جس سے عوام میں تحریک کے لیڈروں سے متعلق بدگمانیاں جنم لینے لگیں۔ انتخابات میں سورن کو کامیابی حاصل ہوئی لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا

کہ کانگریس سے اتحاد کے بعد اس کی حیثیت گھر کے کتے والی ہوکر رہ گئی ہے جس پر اس نے ایک مرتبہ پھر کانگریس سے علیحدگی اختیار کرلی اور جے ایم ایم کی طرف سے پوری شدت کے ساتھ جھاڑکھنڈ کی آزادی کا نعرہ بلند ہوا اور انہوں نے بہار، مغربی بنگال، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے سرحدی قبائلی علاقوں پر مشتمل علیحدہ حکومت کے حصول کے لیے بھارت سرکار کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔

جھاڑکھنڈ کی مطلوبہ ریاست ۲۱ اضلاع اور ۲۰ ہزار مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل ہے یہاں کے قریباً ۴ کروڑ آبادی میں ۵۰ فی صد تعداد سنتھال، مہاتوش، کرمی وغیرہ قبائل پر مشتمل ہے جو بھارتی فوج کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ اس تحریک میں دو باتیں اب تک کھل کر سامنے آئی ہیں ایک تو آزادی پسندوں کی جرأت مندانہ کارروائیاں اور دوسرے لیڈر شپ کا آپس میں اختلاف جس کی وجہ سے لاتعداد قربانیاں بھی کوئی رنگ لانے سے قاصر رہی ہیں۔ ۵۶ مختلف چھوٹے چھوٹے گروپ جھاڑکھنڈ کو آرڈی نیشن کمیٹی (جے سی سی) کے تحت اکٹھے ہوکر کام کرتے ہیں لیکن ایک وقت میں اتنی تعداد میں موجود گروپوں کو کسی ایک لائحہ عمل پر متحد رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کسی بھی فیصلے پر یہ لوگ اختلاف رائے کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ تمام گروپ قبائلی اکثریت رکھتے ہیں۔ مخصوص ذہنیت کے حامل ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اپنے معاملات میں انتہا پسندی اور خودسری کی وجہ سے ایک دوسرے کے تابع رہنا عار سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ان کی مرکزی کمان قائم نہیں ہو پاتی اور بیشتر گروپ الگ الگ ہوکر لڑتے ہیں۔ جن کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر پاتے۔ ۲۹، نومبر ۱۹۸۷ء کو جے سی سی نے جے ایم ایم سے انہی وجوہات کی بنا پر علیحدگی اختیار کرلی حالانکہ ۱۵، نومبر کو رانچی میں جے ایم ایم کے تحت ایک متحدہ ریلی

منعقد کی جا چکی تھی۔ جے سی سی اور جے ایم ایم نے حال ہی میں مرکز کے خلاف اپنے لائحہ عمل کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر حکومت نے ان کو آزادی نہ دی تو پہلے مرحلے پر وہ سرکاری قوانین کی خلاف ورزی کریں گے اور چاروں ملحقہ صوبوں میں ترقیاتی کام روک دیا جائے گا طویل استحصال، نابرابری، احساس محرومی اور عدم توجہی کا شاید وہی انجام ہوتا ہے جو بہار میں جھاڑکھنڈ تحریک کی شکل میں دکھائی دے رہا ہے اس تحریک کے رہنماؤں کو شروع میں یہ اُمید تھی کہ بہار سرکار ان کے مطالبات اور مسائل کے تئیں معتدل اور نرم رویہ اختیار کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا اور نتیجہ یہ سامنے آیا کہ یہ تحریک ایک تشدد اور جارحانہ رُخ میں تبدیل ہوگئی۔ تشدد تخریب کاری اور توڑ پھوڑ کا پرچم بلند کرکے اسٹوڈنٹس یونین نے اخباراتی سرخیاں بنائیں لیکن مجوزہ جھاڑکھنڈ کے غیر قبائلیوں کو دوسرے درجے کے شہری جیسا برتاؤ کے سہنے کا عادی بنا دیا چھ دنوں کی اقتصادی ناکہ بندی، معدنیات اور دوسری چیزیں علاقے کے باہر نہ جانے اور بند کے نعرے کا اثر بھرپور ہوا۔ بہار میں کئی مقامات پر تشدد اور ہلاکت کی وارداتیں ہو رہی ہیں ریل کی پٹڑیاں اکھاڑنے اور قومی شاہراہوں پر آمدورفت میں خلل ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں پل توڑے گئے ہیں جھاڑکھنڈ مورچے والوں اور حکمران بائیں محاذ میں شامل پارٹیوں میں مسلح تصادم زوروں پر ہے اور اب بہار اسمبلی سے جھاڑکھنڈ مکتی مورچہ (سورین گروپ) کے بھی آٹھ لیجسلیٹو کا استعفیٰ اس امر کا غماز ہے کہ اگرچہ یہ سب محدود پیمانے پر ہو رہا ہے تاہم ان رجحانات سے ایک انتہائی تشویشناک صورتِ حال کی نشاندہی ہوتی ہے جھاڑکھنڈ کب اور کیسے ملے گا یہ مظاہرین اور جماعتوں پر انحصار کرتا ہے حقوق لینے والا جتنا متوازن اور مربوط ہوگا دینے والا اتنا ہی مجبور ہوگا۔ تاریخ کے اوراق آج تک یہی نشاندہی کرتے رہے ہیں کہ جہاں بھی مسلسل غیر معاہدہ تحریک

یا جدوجہد نے سر اُبھارا ہے نتائج ضرور سامنے آئے ہیں۔

ان کی تمناؤں اور محرومی کے احساس نے ایک مخصوص مرحلے پر علیحدگی پسندی کی شکل اختیار کی ہے۔ تحریک کے موجودہ لیڈر اس علاقے کو ہندوستان سے الگ کرکے چار ریاستوں کی حدبندی چاہتے ہیں۔ "کیا جھارکھنڈ بھی آسام اور پنجاب کی شکل پیش کرے گا؟ جھارکھنڈ نہیں تو چناؤ نہیں۔" کا نعرہ دینے والے قبائلی اسٹوڈنٹس کی اس جنگجو تحریک کا تیور صحیح معنوں میں غیر معاہدہ تحریک کا تھا، لیکن گزشتہ دنوں ان عبارتوں کو لکھنے والے اسٹوڈنٹس لیڈر معاہدہ ازم سیاست کے سرکاری داؤ میں کچھ اس طرح اُلجھ گئے کہ یہ اندازہ ہونے لگا کہ جھارکھنڈ تحریک کی عمارت مسمار ہو کر رہ جائے گی۔ گزشتہ دنوں جھارکھنڈ تحریک میں کافی سنگین اتار چڑھاؤ آئے ہیں۔ قبائلیوں کی جنگجو تنظیم کے راہنما اچانک تشدد کی تحریک کو ٹھپ کرکے وزیر داخلہ بوٹا سنگھ سے گفت و شنید کے لیے دہلی کیسے پہنچ گئے؟ کیا الیکشن سے قبل ہی قبائلی تنظیم جھارکھنڈ اپنی شکایات اور مطالبات تسلیم کرانے میں کامیاب ہو پائے گی؟ یا پھر یہ تحریک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈے بستے میں بند ہو کر رہ جائے گی؟ جھارکھنڈ تحریک کے ساتھ کچھ نہ کچھ المیہ ہوتا ہی رہا ہے عین وقت پر یعنی فیصلہ کن گھڑی میں تحریک کے فارورڈ لائن کے لڑاکوں کو سرکار نے اپنی صفائی اور چابکدستی سے پھنسایا ہے کہ تحریک کی تیز رو مشعل نے بیاہ کوٹھڑی میں دبکتی پھرتی ہے تحریک کے لڑاکوں کی جمعیت کبھی انفرادی مفاد پرستی تو کبھی غلط اور گمراہ کن پالیسیوں کی وجہ سے سرکاری پھندے میں الجھتی رہی ہے۔ پٹنہ میں ہوئی سہ فریقی بات چیت اور دہلی کی مجوزہ میٹنگ نے اس تحریک پر خراش کے کچھ تازہ نشانات لگا ہی دیے ہیں۔ نئی دہلی کی بات چیت میں ان کی طرف سے تعمیر و ترقی کے مواقع اور فائدوں کی تقسیم میں نابرابری

کی زبردست شکایت کی گئی۔ اور حدبندی پر زیادہ زور دیا گیا لیکن اس معاملے میں مرکزی حکومت کا موقف جیسا کہ مسٹر بوٹا سنگھ نے گفتگو کے دوران اور اس کے پہلے اور اس کے بعد میں کہا کہ وہ بہار کی تقسیم نہیں چاہتے جب کہ وہی ردِ عمل مغربی بنگال کے ضلع دارجلنگ کی گورکھا تحریک کے سلسلے میں بھی مرکزی حکومت کی طرف سے کہا گیا تھا اور بظاہر جھارکھنڈ رابطہ کمیٹی اس بات پر رضامند ہو گئی کہ اس کے مسائل کا حل موجودہ آئینی ڈھانچے کے اندر ہی تلاش کیا جائے۔

دہلی میں مجوزہ بات چیت کے لیے مرکزی حکومت کے ذریعے بھیجے گئے دعوت نامے میں جھارکھنڈ لفظ کا استعمال نہ کیا جانا حکومت کا متعدد بار دہرانا اس فیصلے کی غمازی کرتا ہے کہ اب کوئی نئی ریاست کی تشکیل نہیں کی جائے گی۔ ہاں صرف جھارکھنڈ گروپ کو بات چیت کے لیے بُلایا جانا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ مستقبل میں جو بھی نئی حدبندی یا مطالبے تسلیم کیے جائیں گے وہ صرف بہار کے لیے ہی ہوں گے۔ جھارکھنڈ تحریک میں خاص طور سے تین گروپ ہیں جو اہم اور جارحانہ کردار ادا کر رہے ہیں اور یہ تینوں گروپ کسی سے بھی کم نہیں ہیں۔ ایک ہے جھارکھنڈ سمنوئے سمتی (جھارکھنڈ رابطہ کمیٹی) اس کا اثر و رسوخ مغربی بنگال کے قبائلی اور غیر قبائلی علاقوں میں ہے۔ آل جھارکھنڈ اسٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکریٹری سوریہ سنگھ بیسرا ہیں اس گروپ کی کمان انتہائی متشدد اور جارح قبائلی اسٹوڈنٹس کے ہاتھوں میں ہے۔ جھارکھنڈ تحریک کی جدوجہد اور مطالبات کا پرچم لہرانے میں جھارکھنڈ مکتی مورچہ کے صدر شیبو سورین کی موجودگی کا احساس بھی آتش فشاں کے مانند ہے۔ جس میں نہ تو آگ کی طرح لپک ہے اور نہ ہی برف کی طرح سرد۔ یہ تنظیم جمشید پور، رانچی، چھوٹا ناگ پور اور دیگر قبائلی علاقوں میں مربوط اور مستحکم ہے۔ مغربی بنگال کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن گزشتہ دنوں جھارکھنڈ

رابطہ کمیٹی میں مخلوط ۵۳ چھوٹی بڑی سیاسی اور ثقافتی تنظیموں نے جس ڈھنگ سے اسلحوں کے ساتھ ریلی نکال کر ایک میمورنڈم میں اپنے عزم کا ثبوت دیا ہے اس سے کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ اگست ۱۹۸۸ء میں گورکھا نیشنل فرنٹ کے ساتھ معاہدہ ہونے کے بعد جھاڑکھنڈ تحریک نے مغربی بنگال کے متعدد اضلاع خاص کر مدناپور، بانکوڑا، اور پرولیا میں زور پکڑ لیا ہے۔ حالانکہ بہار کے مقابلے میں یہاں قبائلیوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور نہ ہی اتنی متوازن ہے پھر بھی کچھ عرصہ سے یہاں وہ اپنے آپ کو بہت حد تک منظم کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جھاڑکھنڈ رابطہ کمیٹی کے سینئر لیڈر اور مدناپور میں جھاڑکھنڈ پارٹی کے جنرل سیکرٹری نرین ہانسدا نے بتایا کہ ہم اس علاقے میں رہتے ہیں جو انسانی وسائل کے نقطہ نظر سے ملک میں سب سے زیادہ تنگ اور بھوکے لوگ یہیں رہتے ہیں۔ آزادی کے بیالیس سال کے بعد بھی ہم قبائلیوں کا استحصال ہو رہا ہے۔ میمورنڈم کے مطابق ریاستی یونیورسٹیوں میں قبائلی اور علاقائی زبانوں میں شعبے کھولے جائیں جہاں خاص زبان کے لڑکوں کی تعداد دس فیصد سے زیادہ ہو۔ ان علاقوں اور کالجوں میں قبائلی اور علاقائی زبانوں میں ٹریننگ کا انتظام کیا جائے اور جن علاقوں میں یہ زبانیں اور بھاشائیں اکثر مستعمل ہیں، وہاں سرکاری کام کاج بھی انہیں زبانوں میں ہو۔

حکومت نے ایک سازش کے تحت جھاڑکھنڈ تحریک آزادی کو ایک لسانی گروپ کی انتہاپسندی تک محدود کر دیا ہے۔ اس کا ثبوت ہے بہار میں رہنے والے غیر بہاریوں کا اس تحریک کی طرف سے قتل عام خصوصاً جھاڑکھنڈ سٹوڈنٹس یونین نے اس سلسلے میں انتہاپسندی کا جو روپ دھار رکھا ہے اور وہ کوئی بات ماننے کو تیار نہیں وہ کسی صورت صوبے کے بہاری کو بھی جھاڑکھنڈ میں رہنے

ی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں۔ حال ہی میں حکومت نے مجبور ہو کر ایک سہ فریقی لاقات کا بندوبست کیا تھا۔ اس ملاقات کے بعد بظاہر تو بھارتی وزیر داخلہ سردار وٹا سنگھ نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جھاڑکھنڈ کا معاملہ ختم ہو گیا اور ان لوگوں کے طالبات مان لیے گئے لیکن ابھی ان کے بیان کی سیاہی بھی پھیکی نہیں ہوئی تھی کہ پھر علاقہ دھماکوں سے لرزنے لگا جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اور مستقبل میں بڑھتا ہی نظر آ رہا ہے۔ دنیا کے سامنے امن اور انسانی آزادی کا راگ لاپنے والی بھارتی حکومت دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بظاہر تاثر دیتی رہی ہے کہ اس کے ہاں بسنے والے مختلف قومیتوں اور زبانوں کے حامل اشندے آپس میں مل جل کر ایک آئین کے تحت زندگی گزار رہے ہیں حقائق پھر اور کہانی سناتے ہیں۔ بھارت کی چند ریاستوں کو چھوڑ کر شاید ہی کوئی ایسا صوبہ ہو گا جہاں اپنی علیحدہ حیثیت منوانے کے لیے کوئی نہ کوئی تحریک کسی نہ کسی سطح پر وجود نہ ہو۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تاریخ اس سلسلے میں اپنا بھیانک فیصلہ سنا دے گی۔

غاصبو! کشمیر سے نکل جاؤ

مقبوضہ کشمیر میں جدوجہد آزادی کی تازہ لہر

فاروق عبداللہ سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا ہی رہ گیا

مقبوضہ کشمیر کے مظلوم و مقہور مسلمانوں میں آزادی کی جس تڑپ نے باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کی تھی اس کی شدت بھارتی حکمرانوں کی توقعات کے برعکس بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور سری نگر کے در و دیوار غاصب بھارتیو کشمیر سے نکل جاؤ کے نعروں کی شدت سے لرز رہے ہیں۔ جموں سے لداخ تک ایک ہی نعرہ گونج رہا ہے، کشمیر، کشمیریوں کا ہے اور اس پر حکومت کشمیریوں کا حق ہے۔

مقبوضہ جموں کشمیر یوں تو بھارت ہی کی ایک ریاست ہے لیکن اس کی پہچان جموں، کشمیر اور لداخ تین الگ الگ حصوں کے حوالے سے ہوتی ہے۔ جموں میں ہندو انتہا پسندوں نے ابھی سے آنے والی قیامت کا اندازہ لگا لیا ہے اور وہ جموں کو الگ سٹیٹ بنانے کا مطالبہ کرنے لگے ہیں۔

"کشمیر خالی کردو" کی للکار کی گونج آج مقبوضہ کشمیر میں پوری شدت سے سنائی دے رہی ہے اور حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اب کوئی غیر ملکی ٹورسٹ ادھر کا رُخ کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔ مارچ سے جولائی تک کا مہینہ کشمیر میں سیاحوں کی آمد و رفت کا "سنہرا عرصہ" شمار ہوتا ہے لیکن صورت حال اتنی گھمبیر ہو چکی ہے کہ ۱۷ مئی کو

بھارتی ائیرلائن کے بوئنگ فلائٹ نمبر آئی سی ۴۲۴ دہلی سے سری نگر آتی ہے کے ذریعے صرف آٹھ مسافر سری نگر آئے۔

وہ کشمیری جنہیں بھارتی حکمران کبھی بھیڑ بکریوں سے زیادہ اہمیت دینے پر تیار نہیں ہوئے تھے اب مسلح ہو کر اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اتر آئے ہیں۔ اس کا صرف ایک ثبوت ۱۱ مئی کی ہڑتال ہے۔ اس چار روزہ ہڑتال کی اپیل جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کی طرف سے کی گئی تھی جس کا توقعات سے بڑھ کر بھرپور جواب ملا اور ہڑتال کے پہلے روز ۱۱ مئی کو صرف سری نگر میں بموں کے ۱۶ دھماکے ہوئے جن میں ۱۲ افراد مارے گئے درجنوں زخمی ہوئے اور کروڑوں روپے کی حکومتی پراپرٹی تباہ ہو گئی۔ اسی دوران بھارتی افواج کے ساتھ دو بدو مقابلے میں قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے ۴ ملازم بھی مارے گئے اور حکومت کسی ایک "دہشت گرد" کو بھی گرفتار نہیں کر سکی۔

اس کامیاب ہڑتال کے بعد بھارتی ذرائع ابلاغ میں کھلم کھلا یہ کہا جانے لگا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں حکومت تو بھارت کی ہے لیکن عملاً حکم مجاہدین آزادی کا چلتا ہے۔ گو کہ کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ نے کشمیری عوام کو حضرت باغ سری نگر میں بظاہر ایک بہت بڑا جلسہ کر کے اس ہڑتال کے مضمرات سے آگاہ کرتے ہوئے دھمکی دینے کے انداز میں ہڑتال ناکام بنانے کو کہا تھا یہ الگ بات کہ اس کی خالی خولی دھمکیاں کوئی خاطر میں نہیں لاتا۔

فاروق عبداللہ جو کبھی کھلم کھلا کشمیر کے گلی بازاروں میں گھوما کرتا تھا مجاہدین آزادی کی دلیرانہ وارداتوں سے اتنا خوف زدہ ہو چکا ہے کہ اب اپنی رہائش گاہ سے قدم باہر رکھتے ہوئے ڈرتا ہے سیکورٹی والوں کی ایک فوج ظفر موج اس کی حفاظت کے لیے اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس مرتبہ تو فاروق عبداللہ

نے عید کی نماز بھی فوجی پہرے کے سائے میں ادا کی۔ اس نے اپنی ذاتی حفاظت کے پیش نظر اپنے کئی منظر بدل ڈالے ہیں اور اب جن لوگوں کو اس نے اپنے گرد اکٹھا کر لیا ہے انہیں غنڈوں کی سٹاک ایکسچینج کہا جاتا ہے۔ شاید ہی اس کے نزدیک آنے والا کوئی شخص کرپشن کے الزام سے مبرا ہو۔ فاروق عبداللہ شاید یہ سمجھتا ہے کہ بدمعاشوں کے اس جھرمٹ میں وہ محفوظ رہے گا۔ اس کا لب و لہجہ حالات کی تلخی نے خاصا بدل دیا ہے اس نے ہڑتال کی اپیل پر جو جلسہ منعقد کیا اس میں کشمیری عوام کو دھمکی دی کہ جس کسی نے مجاہدین کی اپیل پر ہڑتال میں حصہ لیا اس کی بند دکان کو تالا توڑ کر وہ دکان جلا کر راکھ کر دے گا لیکن ہڑتال کی توقع سے زیادہ کامیابی نے ثابت کر دیا کہ لوگوں نے اپنے وزیر اعلیٰ کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔

کشمیری عوام کی طرف سے اتنی بھرپور مدد میسر آنے پر مجاہدین آزادی کے حوصلے بہت زیادہ بڑھ گئے انہوں نے دوران ہڑتال پولیس چوکیوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کیے۔ ڈپٹی کمشنر کی رہائش گاہ کو بم سے اڑا دیا۔ سینکڑوں گاڑیوں اور دکانوں کو نذر آتش کیا اور انتہا یہ کہ سری نگر میں موجود انٹیلی جنس بیورو کے ہیڈ کوارٹر کو بھی تباہ کر دیا۔

اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے بھارتی ہفت روزہ "دی ویک" کہتا ہے کہ ہڑتال سے متعلق واحد ایماندارانہ رائے یہی ہے کہ لوگ بھارت اور اس کی کٹھ پتلیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان کی ہمدردیاں جدوجہد آزادی کے لیے سرگرم عمل مجاہدین کے ساتھ ہیں اس کے علاوہ اس صورتِ حال کی جو بھی توجیہہ فاروق عبداللہ یا ان کے حواری کر رہے ہیں وہ غلط اور فرسودہ ہے۔ اس گمبھیر صورتِ حال سے کس طرح آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں کہ اپریل کے

مہینے میں سیاحوں کی آمد ۱۳ سو روزانہ سے کم ہو کر چار سو رہ گئی ہے اور پچاس فیصد ہوٹلوں اور "ہاؤس بوٹس" کی ریزرویشن منسوخ ہو گئی اور سیاحت کے دھندے سے منسلک لوگوں کو تو اپنی اوسط آمدن کا پانچواں حصہ بھی نصیب نہیں ہو سکا۔ ہڑتال کے دوران سیاحوں کی ایک بس پر بھی حملہ کیا گیا جس میں ایک سیاح مارا گیا اور کئی زخمی ہوئے اور اس صورتِ حال پر فاروق عبداللہ نے صرف یہ بیان دے کر اپنی جان چھڑانی چاہی کہ اس کی حکومت پاکستان کے خلاف جنگ لڑ رہی ہے جو مجاہدین کو تربیت اور اسلحہ دے کر وادی میں بھیجتا ہے اور جس کے تربیت یافتہ مجاہدین نے ریاست میں امن و امان کا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔

فاروق عبداللہ نے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے جو واحد اپنی دانست میں مستحکم قدم اٹھایا ہے وہ اپنی کابینہ کی توسیع ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہر دوسرا ایم ایل اے وزیر بن چکا ہے۔ اس سے پہلے کانگریس آئی کے ساتھ سودے بازی کی گئی اور مرکز کے چکر علیحدہ لگائے۔ فاروق عبداللہ کی بدقسمتی کے اس کے اقدام کو جسے یقیناً مرکز کی آشیرواد حاصل ہے زبردست تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اپوزیشن والے برملا کہتے ہیں کہ ایک غریب ریاست کے لیے وزیروں کی فوج پالنا آخر کہاں کی دانش مندی ہے؟

ہڑتال کی اپیل لندن میں مقیم پاکستان حمایتی کشمیری تنظیموں کے سربراہوں کی طرف سے کی گئی تھی۔ یہ اپیل جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ، مسلم یوتھ لیگ، اسلامی جمعیت طلباء اور محاذ آزادی کشمیر کی طرف سے تشدد اور جعلی پولیس مقابلوں میں کشمیری نوجوانوں کی شہادت کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ حکومت نے اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے پیش بندی کر لی تھی اور ہر ممکن ہنگامی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے انتظامات کیے ہوئے تھے۔ دکان داروں ٹرانسپورٹروں اور ہاؤس بوٹس

کے مالکان کو یقین دہانی کروا دی گئی تھی کہ کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود کسی نے دکان نہیں کھولی سڑکوں پر ٹریفک جام رہا اگر کوئی بس یا ٹیکسی سڑک پر آئی تو لوگوں نے اسے جلا کر راکھ کر دیا کسی ہاؤس بوٹ کے نزدیک کسی سیاح نے پھٹکنے کی جرأت نہیں کی حکومت نے ٹورسٹ بس چلائی تو اس پر بم پھینکا گیا۔

بھارتی حکومت کو احساس ہے کہ کشمیر کے مقہور عوام کے جذبہ حریت کے بیدار رہنے ہی میں حریت پسندوں کی بقا ہے اور وہ لوگ اس امر کے لیے مسلسل کوشاں ہیں۔ بھارتی انٹیلی جنس نے تازہ ترین تفتیش کے بعد جو رپورٹ حکومت کو پیش کی ہے اس میں موجودہ تحریک آزادی کے ڈانڈے پاکستان سے ملائے ہیں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ امسال آغاز میں اور گذشتہ سال کے اختتام پر پاکستانی انٹیلی جنس نے تربیت یافتہ کشمیری اور افغان مجاہدین کو ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق بڑی خاموشی سے مقبوضہ کشمیر میں داخل کیا۔ ان لوگوں نے وہاں نہ صرف تخریبی کارروائیوں کا آغاز کیا بلکہ کشمیری نوجوانوں کو باقاعدہ تربیت دی اور اسلحہ مہیا کیا۔

بھارتی سیکورٹی ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کا طریقہ کار ہمسایہ ریاست پنجاب میں سرگرم عمل خالصتانیوں سے ملتا جلتا ہے اور چونکہ بقول بھارتی حکمرانوں کے خالصتانی حریت پسند پاکستان کے تربیت یافتہ ہیں دونوں کا طریقہ واردات بتاتا ہے کہ کشمیری حریت پسندوں کو بھی پاکستان میں تربیت دی گئی ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہڑتال کے دوران حکومت "جے کے ایل ایف" کے کسی لیڈر کو دریافت نہیں کر سکی۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام قابل ذکر کشمیری حریت پسند لیڈر پاکستان میں روپوش ہو چکے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے پھر

اس تحریک آزادی کی کمان آخر کون کر رہا ہے؟

انٹیلی جنس ذرائع کا کہنا ہے کہ "کشمیر خالی کر دو۔"

تحریک کا دوسرا مرحلہ جلد شروع ہونے والا ہے جس میں طے شدہ پلاننگ کے مطابق قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگا۔ کیونکہ جے کے ایل ایف نے کشمیری عوام کو "جہاد" کے لیے تیاری کا سگنل دے دیا ہے۔

یہ جہاد ہر سطح پر شروع ہو چکا ہے اور "حزب اللہ" نامی ایک تنظیم کی طرف سے کشمیری خواتین کو وارننگ دی گئی ہے کہ وہ خود کو اسلامی رنگ میں رنگ لیں اور ہندوانہ طرزِ معاشرت سے بالکل علیحدگی اختیار کر لیں بصورتِ دیگر انہیں سنگین نتائج کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے ۳ ممبروں کی لسٹ موجود ہے جو پاکستان میں موجود اپنے لیڈر امان اللہ خان کی سربراہی میں ان کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ امان اللہ خاں کو کچھ عرصہ پہلے لندن سے ملک بدر کر دیا گیا تھا اور اب وہ پاکستان کے ایک شہر کراچی میں رہتے ہیں۔ برٹش پولیس کا دعویٰ تھا کہ عظیم قریشی نامی ایک کشمیری حریت پسند کا امان اللہ خان کے نام لکھا ایک خط انہیں ملا ہے جس میں عظیم قریشی نے مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندانہ سرگرمیوں کی مکمل رپورٹ پیش کی تھی یہ خط بھارتی انٹیلی جنس کو بھیجا گیا جس نے اس خط میں لکھے واقعات کی تصدیق کی۔ خصوصاً ۱۰ فروری ۸۵ء کو جموں کے ریلوے سٹیشن کو بم کے دھماکے سے اڑانے کے منصوبے کی تصدیق کی گئی بھارتی پولیس نے بتایا کہ پاکستان سے پونچھ کی سرحد عبور کر کے مقبوضہ کشمیر آنے والے غلام محمد نامی ایک شخص نے ایک بیگ جموں ریلوے سٹیشن کے لاکر میں رکھوایا۔ دو تین ماہ تک یہ بیگ وہاں پڑا رہا جب پولیس نے اسے کھولا تو

اس میں ایک طاقت ور ٹائم بم موجود تھا جو سوئے اتفاق اپنا کام نہ کر سکا اور کسی تکنیکی خرابی کا شکار ہو کر ناکارہ ہو گیا بصورتِ دیگر جموں ریلوے سٹیشن کھنڈر میں تبدیل ہو جاتا۔

اسی طرح دسمبر ۸۵ء میں برطانیہ سے ایک کشمیری بھارتی ویزے پر آیا جسے تاکید کی گئی تھی کہ وہ کشمیر نہیں جائے گا لیکن یہ شخص نہ صرف مقبوضہ کشمیر میں گیا بلکہ اس نے وہاں کے چیف منسٹر غلام محمد شاہ کے ساتھ ملاقات کی۔ جب جی ایم شاہ نے اپنے "عزیز مہمان" کے لیے سری نگر میں مزید قیام کی اجازت مرکزی حکومت سے طلب کی تو سیکورٹی ایجنسیوں کو اس شخص کا علم ہوا اسے گرفتار کر کے بعد میں بھارت بدر کر دیا گیا۔ جی ایم شاہ کی حکومت سے معزولی کی بنیاد دو واقعات تھے ایک تو اس پُراسرار مہمان سے ملاقات اور دوسرے اننت ناگ میں ہندوؤں کے مندر پر بموں سے حملہ۔

بھارتی حکومت اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود کشمیریوں کے ذہنوں سے حقِ خودارادی کا بھوت نہیں نکال سکی۔ شیخ عبداللہ نے اپنی معزولی کے ۲۲ سال بعد "محاذ رائے شماری" قائم کر کے اس مسئلے کو زندہ رکھا آج بھی کشمیری حکومت سے تقاضہ کرتے ہیں کہ وہ ریاست کی قسمت کا فیصلہ اپنے ووٹ سے کریں گے اور بھارت کے ساتھ زبردستی کا الحاق انہیں منظور نہیں۔

۷۵ء میں جب شیخ عبداللہ دوبارہ برسرِ اقتدار آیا تو اندرا گاندھی کے ساتھ ایک خفیہ معاہدے کے تحت گو اس نے محاذ رائے شماری کی سرگرمیاں محدود کر دیں لیکن اب فضا ایسی بن چکی تھی کہ اس کے بہت سے ساتھی دلبرداشتہ ہو کر زیرِ زمین چلے گئے اور انہوں نے مسلح جدوجہد شروع کر دی۔

آج سری نگر کا خوبصورت شہر میدانِ جنگ کا منظر پیش کر رہا ہے متعدد

مقامات پر ہفتوں کرفیو نافذ رہتا ہے۔ نوجوانوں میں مسلمان ہیرو روز بروز مقبول ہو رہے ہیں۔ عمران خان اور مرحوم صدر ضیاء الحق کی تصاویر اور ہلالی پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں اور بھارتی حکومت حسبِ معمول بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پاکستان کو ان واقعات کی ذمہ دار قرار دینے کی رٹ لگائے ہوئے ہے جب کہ عملاً صورتِ حال اس کے برعکس ہے اور پاکستان کی موجودہ حکومت "بھارت" کے ساتھ بہتر تعلقات بنانے کے لیے بہت سی ایسی حدود کو تجاوز کر گئی ہے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھارت کی منافقانہ خارجہ پالیسی کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی نیت پر بھی ہمیشہ شک کرتا ہے۔ خصوصاً پاکستان پر وہ کبھی کسی معاملے میں اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ زبانی جمع خرچ کچھ بھی ہوتا رہے آج ہمیں من حیث القوم اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ کیا ہمارا موجودہ طرزِ عمل اپنے مظلوم اور مقہور کشمیری مسلمان بھائیوں کی موجودہ جدوجہدِ آزادی کو جلا بخشنے والا ہے؟ کہیں خدانخواستہ ہم ان کے حوصلے پست کر کے ناقابلِ معافی گناہ کے مرتکب تو نہیں ہو رہے ہیں؟

(مطبوعہ ۷ جولائی ۸۹ء)

○

مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی تازہ لہر

ہم غلام تھے لیکن آزادی کا سبق ہم نے بھلایا نہیں

مقبوضہ کشمیر ایک ایسا دھکتا ہوا آتش فشاں بن چکا ہے جس کی زد میں بھارتی استعماریت کے خواب جل رہے ہیں اور کشمیر کے مقہور عوام کے سینوں میں برسوں سے دبی آزادی کی چنگاریاں شعلوں کا روپ دھار چکی ہیں۔ سری نگر جو اس موسم میں سیاحوں کی جنت بن جایا کرتا تھا آج ایک اجڑے ہوئے قبرستان کا نقشہ پیش کرتا نظر آتا ہے۔ اس خوبصورت شہر کے در و دیوار "کشمیر خالی کر دو" بھارتی غاصبو کشمیر سے نکل جاؤ۔ پاکستان زندہ باد "آزادی یا موت" کے نعروں سے بھرے دکھائی دیتے ہیں اور مکانات کے باہر پاکستان کے ہریالی پرچم لہراتے نظر آرہے ہیں پولیس اور فوج کے دستے ایسی کسی بھی عمارت سے جب ہریالی پرچم اتار دیتے ہیں تو انہیں احساس ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد پھر یہاں بھی پرچم لہرا رہا ہوگا۔ کیونکہ یہی سچائی ہے جو ایک روز اپنا آپ منوا کر رہے گی اور کشمیر انشاء اللہ پاکستان کا حصّہ بنے گا۔

غیر ملکی پریس کے جن نمائندوں کو سری نگر جانے کا ان دنوں موقعہ ملا ہے ان کا کہنا ہے کہ ۱۹۵۳ء کے سری نگر کی یاد آج پھر تازہ ہونے لگی ہے۔ یاد رہے کہ ۱۹۵۳ء میں بھارتی حکومت نے جب شیخ عبداللہ کو گرفتار کرکے پس دیوار زنداں

کیا تھا تب بھی سری نگر میں مسلمانوں نے حکومت کے خلاف بہت بڑا ایجی ٹیشن شروع کیا تھا جس میں سینکڑوں مسلمان مارے گئے اور زخمی ہوئے تھے۔ آج سری نگر کے گلیاں اور بازار ۱۹۵۳ء کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ جابجا جلی ہوئی بسوں اور کاروں کے ڈھانچے تباہ شدہ عمارات اور کرفیو کے ہولناک سائے میں سہمی ہوئی زندگی انڈیا ٹوڈے اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے:

اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کانگریس آئی کے ترلوچن دتا کہتے ہیں یوں دکھائی دیتا ہے جیسے کشمیر کی تحریک آزادی نے نئے سرے سے زندگی حاصل کر لی ہے۔ ایک فرق جو کشمیر میں آزادی کی پہلے سے چلنے والی تحریکوں کو اس تحریک سے ممتاز یا الگ کرتا ہے وہ یہ کہ یہ مسلح جد و جہد آزادی کی تحریک ہے جس کو چلانے والے نوجوان اور سفید پوش طبقے کے لوگ جدید آٹومیٹک ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ یہ لوگ پولیس اور دوسری ایجنسیوں پر حملے کرتے ہیں۔ دھماکے کرتے ہیں اور بسوں کو منجھے ہوئے تخریب کاروں کی طرح آناً فاناً آگ کا ڈھیر بنا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ ہفتے حریت پسندوں کے ایک گروپ نے مقبوضہ کشمیر کے ڈی آئی جی اے ایم وٹال کے گھر پہ فائرنگ کی تھی اس ہفتے سری نگر کی بھری پُری اور معروف شاہراہ ریذیڈنسی روڈ پر ایک دو منزلہ بس میں بم کا دھماکہ ہوا اور اس کے پرخچے اُڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی گورنمنٹ آفیسر کالونی میں ایک انٹیلی جنس آفیسر جو حریت پسندوں پر تشدد کے لیے خاص شہرت رکھتا ہے کے گھر کو بھی بارود لگا کر اُڑا دیا گیا۔ اس روز سونک بولیوارڈ کی ماڈرن آبادی میں بھی ڈائنا مائٹ کا ایک زبردست دھماکہ ہوا اور سارا سری نگر لرز کر رہ گیا۔

حال ہی میں کشمیری حریت پسندوں کی اس تازہ لہر سے نمٹنے کے لیے قائم ہونے والی کمانڈو یونٹس کے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے اخبار نویسوں کو بتایا۔

"مجھے حال ہی میں ایک بپھرے ہوئے ہجوم کو کنٹرول کرنے کا اتفاق ہوا۔ یہ لوگ کسی وارننگ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پولیس کو للکار کر کہتے ہیں مارو ہمیں گولی۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں خود ساختہ دیسی بم ہوتے ہیں جو وہ پولیس پر پھینکتے ہیں۔ یہ بالکل نیا عنصر ہے جو حال ہی میں سامنے آیا ہے۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ یہ کشمیری ہیں۔ یہ یقیناً کوئی باہر کے لوگ ہیں۔"

گزشتہ ہفتے ایک واقعہ سری نگر کے شمس وری محلہ میں پیش آیا جہاں ۱۹ سالہ شعیب محمد نے اپنے ایک دوست کی والدہ فاطمہ سے کہا۔ اب ہماری غلامی کے دن پورے ہونے والے ہیں۔ پار (پاکستان) سے اسلحے کی تازہ کھیپ پہنچ گئی ہے اب کسی سی آئی ڈی والے کی جرأت نہیں کہ وہ آدھی رات کو کسی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ نہ ہی کسی کو رات کے اندھیرے میں اغوا کر کے کسی عقوبت خانے میں لے جایا جا سکے گا۔ اب ہم گولی کا جواب گولی سے دیں گے۔

فاطمہ کو اس بات کا یقین نہ آیا کہ پاکستان سے اسلحہ آ گیا ہے۔ اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے شعیب محمد نے ریوالور نکالا اور ایک گولی بھی فائر کر کے دکھا دی جو فاطمہ کے کان میں لگ گئی۔ شعیب اسے فوراً ایک آٹو رکشہ میں ڈال کر ہسپتال لے گیا اور پھر وہاں چھوڑ کر غائب ہو گیا۔

اس واقعے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سری نگر کے اس پرانے محلے سے نکلی اور سارے شہر میں پھیل گئی۔ جس پر لوگوں میں عجیب طرح کا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ بالکل یوں جیسے مُردہ تن میں اچانک جان ڈال دی جائے۔ کشمیر کی آزادی کا موضوع آج کل غریب ہی نہیں بلکہ امیر اور کاروباری طبقے میں بھی زیرِ بحث آنے لگا ہے۔ کشمیری شال اور نمدہ کی ایکسپورٹ کرنے والا ایک تاجر شہر یب علی موجودہ صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم شروع ہی سے غلامانہ

ذہنیت کے حامل رہے ہیں۔ اب ہم میں بڑی خاموشی سے ایک نیا احساس جاگنے لگا ہے کہ ہم سدا غلام نہیں رہیں گے اور ہم نے اپنی آزادی کے متعلق سوچنا شروع کر دیا ہے۔

اس احساس تفاخر کا عظیم الشان مظاہرہ اپریل کے آخری دنوں میں کہنار اور نائیدکدال میں دیکھنے میں آیا۔ یہاں چار روز تک آرمی اور حریت پسندوں کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی کی وجہ پولیس حراست میں پیپلز لیگ کے صابر شاہ کے والد کی تشدد کے ہاتھوں موت تھی جیسے ہی اس کی موت کی خبر لوگوں کو ملی۔ کلاشنکوف سے مسلح نوجوانوں نے پولیس سٹیشن پر حملہ کر دیا۔ لوگوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کلاشن کوف بردار نوجوانوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ لوگ دیوانہ وار انہیں چومنے لگے اور کشمیری روایات کے مطابق انہیں دودھ میں نہلا دیا۔

ان حالات نے گو کہ مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کی معاشی حالت مزید ابتر کر دی ہے لیکن ان کے حوصلے جوان ہیں۔ ڈل جھیل میں ایک شکارے کا مالک عبدل امین جو سیزن کے دنوں میں عموماً پانچ سو روپے روزانہ کما لیا کرتا تھا آج تین دنوں میں بمشکل پچاس روپے کما سکا ہے لیکن وہ اس صورتِ حال سے پریشان ہرگز نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ پولیس کا ظلم حد سے بڑھ چکا تھا اسے لگام دینا ضروری ہو گیا تھا اور جب آزادی کی جنگ لڑنی جائے تو ساری قوم کو اس میں اپنا حصہ ڈالنا ہی پڑتا ہے۔ سری نگر۔ معصومہ بازار کے ۱۸ سالہ عاشق حسین کو پولیس نے دل میں گولی اتار کر گزشتہ دنوں شہید کر ڈالا۔ اس پر اپنے گھر میں بم تیار کرنے کا الزام تھا۔ اس واقعے سے کوئی خوفزدہ نہیں ہوا۔ آج عاشق حسین کشمیری نوجوانوں کا ہیرو بن چکا ہے اس کی دادی، ماں اور بہن اس کی تصویر اٹھائے فاروق عبداللہ کی جان کو روتی نظر آتی ہیں۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ جس کشمیری نوجوان کو پولیس والے چاہیں پکڑ کر تفتیشی مرکز میں لے جاتے ہیں اسے اذیتیں دے دے کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ "پاکستانی جاسوس" یا "تربیت یافتہ" ہونے کا اقرار کرلے۔ ایسے تمام نوجوان جنہیں اس درندگی اور وحشت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر پاکستان کے تربیت یافتہ نہ بھی ہوں تو بھی وہ بھارت سے مزید نفرت کرنے لگتے ہیں۔

آج پیپلز لیگ کے شبیر شاہ کے ساتھ پولیس کو مطلوب اشفاق مجید، جاوید احمد میر، حامد شیخ اور یاسین جن میں سے ہر ایک کے سر کی قیمت ۳۰ ہزار روپے ہے ایسے ہی نوجوان ہیں جنہیں خواہ مخواہ پاکستانی تربیت یافتہ ہونے کے الزام میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں اور آج وہ عام شہری سے دہشت گرد کا روپ دھار چکے ہیں۔

اپنے آقاؤں کی طرح مقبوضہ کشمیر کا کٹھ پتلی حکمران فاروق عبداللہ اس صورتِ حال کی ساری ذمہ داری پاکستان پر عائد کر رہا ہے۔ اس کی حالت اب ایک ہارے ہوئے جواری کی ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کافی بدلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں وہ لال چوک اور سری نگر کے دوسرے علاقوں سے گزرتے تھے تو عوام کا اژدھام ان کا خیر مقدم کرتا تھا تب سے اب تک حالات کافی بدل گئے ہیں۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ بھی نسبتاً زیادہ بالغ نظر اور تجربہ کار نظر آنے لگے ہیں۔ ان سے کیے گئے ایک انٹرویو کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

سوال: آپ نے پاکستان میں بے نظیر بھٹو کی حکومت کے قیام کا خیر مقدم کیا تھا اور اُمید ظاہر کی تھی کہ اب برصغیر میں امن قائم ہو جائے گا لیکن اب آپ پاکستان کو دوش دے رہے ہیں کہ وہ کشمیر میں تخریب کار روانہ کر رہا ہے۔

آپ کے خیالات اس طرح کیوں بدل گئے؟

فاروق عبداللہ: میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ اگر راجیو گاندھی جائیں اور پاکستانی وزیر اعظم سے بات چیت کریں تو کئی مسائل حل ہو سکتے ہیں ہم یہ بھی سمجھتے تھے کہ پاکستان میں دہشت پسندوں کی تربیت کے لیے جو کیمپ قائم کیے گئے ہیں وہ بھی بند کر دیے جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پاکستان میں کیمپ اب بھی موجود ہیں وہ دہشت پسندوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں پاکستانی اب بھی بین الاقوامی حلقوں میں کشمیر کی بات کرتے ہیں۔ ان کا آج بھی یہ خیال ہے کہ کشمیر ایک طشتری میں رکھ کر ان کو پیش کر دیا جائے اور یہ کہ ہم بھیڑ بکریوں کی طرح منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ ہمیں یہ سب کچھ منظور نہیں ہے ہم ہندوستان کا ایک جزو ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ہم کو انڈین یونین سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ پاکستان کو چاہیے کہ وہ اس حقیقت کو پہلے تسلیم کرے۔ میرا سوال یہ ہے کہ جب پاکستان دوستی کی بات چیت کرتا ہے تو کیا وہ اس کے بارے میں مخلص ہے اگر وہ مخلص ہے تو ہمارے معاملات میں مداخلت اسے بند کرنی ہوگی۔

سوال: آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان دہشت پسندوں کو وادی کشمیر میں بھیج رہا ہے؟

فاروق عبداللہ: پاکستان مقبوضہ کشمیر کی حکومت اسلام آباد کی حکومت کی اجازت کے بغیر ہمارے ملک میں تخریب کاروں کو روانہ نہیں کر سکتی یہ کام تو ۱۹۸۳ء سے ہو رہا ہے اس وقت پاکستان میں ایک کروڑ روپیہ اس کام کے لیے مختص کیا گیا تھا اب پتہ نہیں یہ روپیہ کتنا زیادہ ہو گیا ہوگا تخریب کاروں کی مالی امداد پاکستان کی مرضی کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ وزیر داخلہ مسٹر چدمبرم نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے۔

سوال: اب آپ پاکستان کے جنگجویانہ انداز کی بات کیوں کر رہے ہیں کیا آپ اس طرح سے اپنی حکومت کی کمزوری کو چھپانا چاہتے ہیں ؟

فاروق عبداللہ: جی نہیں میں سمجھتا ہوں کہ ملک کو پاکستان کی اس مداخلت کے بارے میں تبلانا بہت ضروری ہے ۔ میں یہ بات اپنے ملک کو اچھی طرح تبلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کشمیر میں شرارت کر رہا ہے کیونکہ جب تک سارا ملک اور ساری قوم مل کر اس تخریب کاری اور مداخلت کے خلاف جدوجہد نہیں کریں گے کامیابی نہیں ملے گی ۔

سوال: کیا آپ نے پاکستان میں تربیت پائے ہوئے کچھ تخریب کار پکڑ لیے ہیں آپ ان کو کھلے عام پیش کیوں نہیں کرتے تاکہ لوگ مطمئن ہو جائیں جیسا کہ افغانستان کی حکومت نے کیا تھا ؟

فاروق عبداللہ: ہم نے بہت سے تخریب کاروں کو پکڑا ہے ہم نے جو ہتھیار پکڑے ہیں وہ بھی راجیو گاندھی کو دکھائے ہیں ہم ان کو اپنی جیلوں سے نکال کر دوسری جیلوں میں بھیج رہے ہیں کیونکہ ہماری جیلوں میں بھی ان کو مدد ملتی ہے حالات معلوم ہو جاتے ہیں ہمیں یہ بھی نہیں پتہ کہ کچھ لوگ اگر اپنے آپ کو کسی قیدی کا بھائی بند یا رشتہ دار کہہ کر اس سے ملنے کے لیے آتے ہیں تو وہ واقعی رشتہ دار ہیں یا پاکستانی ایجنٹ ہیں ۔

سوال: آپ نے اب تک کتنے تخریب کار گرفتار کیے ہیں ؟

فاروق عبداللہ: سو کے لگ بھگ ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ بھی ہوں محکمہ سراغرسانی کی خبروں کے مطابق پاکستان سے آئے ہوئے ایسے تخریب کاروں کی تعداد ۱۵۰ ہے اصل میں شکل و صورت، بول چال میں وہ وادی کشمیر کے رہنے والوں کی طرح ہیں اس لیے انہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی ۔

سوال: حکومت ہند پنجاب میں آنے والے تخریب کاروں کو روک نہیں سکی ہے، آپ کشمیر میں کامیاب ہو جائیں گے ؟

فاروق عبداللہ: جہاں تک مداخلت کاری کا سوال ہے اسے پوری طرح روکا نہیں جا سکتا ہم اتنا جانتے ہیں کہ جو ۰۰ تخریب کار ہم نے پکڑے ہیں ان کے علاوہ اور بھی ہیں ۔ سرحد کی دوسری طرف مزید تین سو تخریب کار ہوں گے ۔ چالیس یا پچاس ہمارے علاقے میں بھی ہیں ہم ان سب کو باہر نکالیں گے ۔

سوال: یہ سب کچھ سیاحت کے موسم میں ہوا ہے ؟

فاروق عبداللہ: تخریب کاری کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم کو اقتصادی طور پر تباہ کیا جائے ۔ جب ہم معاشی طور پر برباد ہوں گے تو دہلی سے منافرت بڑھے گی اس لیے ملک بھر میں جا کر لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ چھٹیوں میں کشمیر آنے کا سلسلہ کبھی بند مت کیجیے ۔ تخریب پسند یہی تو چاہتے ہیں ۔

سوال: ۱۹۸۷ء میں آپ کے اور راجیو گاندھی کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا تھا وہ کشمیری عوام کو ہندوستانی قومی دھارے کے اندر لانے میں کامیاب کیوں نہیں ہوا ؟"

فاروق عبداللہ: میں سمجھتا ہوں کہ میں اس میں کامیاب ہوا ہوں ۔

سوال: آپ کا یہ بیان کہ میں سری نگر کی سڑکوں پہ پاکستان کا مقابلہ کر رہا ہوں ہندوستان میں دلچسپی سے پڑھا گیا لیکن کشمیر میں اس کا کیا اثر ہوا ؟

فاروق عبداللہ: ہم وادی کشمیر میں یہ بتانے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ ہم سب انتہا پسند عناصر سے لڑ رہے ہیں لیکن ہمارے پاس ایک مسئلہ ہے جو سیاستدان اقتدار سے محروم ہو گئے ہیں وہ ہر قیمت پر واپس اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں ان میں کچھ [illegible] نیشنل کانفرنس کے ہیں اور کچھ کانگریس کے ہیں یہ لوگ

بھی ایسے معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ہنگامہ شروع کرواتے ہیں۔ پھر جو نوجوان بیروزگاری کی وجہ سے مایوسی کا شکار ہیں وہ بھی اس طرح کی احتجاجی تحریکوں اور مظاہروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

سوال: کیا آپ کو توقع ہے کہ آپ حالات پر قابو پا سکیں گے؟

فاروق عبداللہ: ہاں میں یہ توقع کرتا ہوں۔ باہر کے لوگ ہم کشمیریوں میں نفاق نہیں ڈال سکتے ہم ہندوستان کا ایک حصہ ہیں اور اسی ملک میں رہیں گے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بھارتی ذرائع ابلاغ اس ساری صورتِ حال کو غربت اور بے روزگاری کا شاخسانہ قرار دے رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اگر کشمیری نوجوانوں کو روزگار مہیا کر دیے جائیں تو عین ممکن ہے کہ آزادی کی اس تازہ لہر کا خاتمہ ہو جائے لیکن حالات اور واقعات اس کے برعکس کوئی اور ہی کہانی سُناتے ہیں اور بھارت ہی نہیں دنیا بھر کے دانشور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جبر و استحصال کے سائے بالآخر ڈھل جاتے ہیں اور غیرت مند قومیں غلامی کا طوق ایک نہ ایک روز اپنے گلے سے اُتار پھینکتی ہیں۔ آزادی کی چنگاری ہمیشہ غلاموں کے دلوں میں سلگتی رہتی ہے جو بجھتی نہیں بلکہ وقت آنے پر شعلے کا رُوپ دھار لیتی ہے۔

(مطبوعہ ۲۳ جون ۸۹ء)

آر ایس ایس کیا ہے؟ کیسے کام کرتی ہے؟

خفیہ تنظیم کا سربراہ سرسنگھ چالک کہلاتا ہے

آر ایس ایس کا قیام اگرچہ ۱۹۲۵ء میں عمل میں آیا لیکن اس نے شہرت آزادی سے چند سال پہلے ہی حاصل کی۔ یہ تنظیم اور اس کے نظریات عرصے سے بحث کا موضوع رہے ہیں۔ اس کا خاص مقصد نوجوانوں کو اپنے نظریات کے مطابق تربیت دینا ہے۔ بظاہر یہ نوجوانوں کی تنظیم معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی قیادت صرف نوجوانوں کے ہی ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہندو نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کو ایک خاص نظریہ کے تحت تربیت دی جا رہی ہے اور آر ایس ایس اس کام کو اتنے بڑے پیمانے پر کر رہا ہے کہ تنظیم نے ایک ملک گیر حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ہندو نوجوانوں کی سرگرمیوں کا مطالعہ کتنا ضروری ہے جو آر ایس ایس کے جھنڈے کے نیچے ایک خاص نظم کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔

آر ایس ایس کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں جو اس کی سرگرمیوں کو سمجھنے کے لیے پس منظر کا کام دیں گے۔ اس تفریق کے بغیر کہ کون کس صوبے میں رہتا ہے تمام ہندوؤں کو ملک کے ایک نظریہ اور ثقافت (کلچر) کے تحت متحد کرنا۔

(۲) ہندوستان ہندوؤں کا ہے اور صرف "ہندوازم ہی نیشلزم ہے" ان کے نعرے ہیں۔ (۳) وہ سنسکرت کو ہی ہندوستان کی اصل زبان سمجھتے ہیں (۴) ثقافتی (کلچرل) اعتبار سے وہ ملک کو ایک یعنی اکھنڈ بھارت خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک سیاسی تقسیم کی اس میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ (۵) وہ بھگوا دھوج (زعفرانی رنگ کا جھنڈا) کو اپنے جھنڈے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اسے بہت قدیم سمجھتے ہیں جسے تقریباً تمام ہندو راجاؤں نے استعمال کیا تھا انہوں نے جھنڈے کو گورو تسلیم کرلیا ہے جس پر گورو دکشنا کے نام سے چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے جو تنظیم کو چلانے میں کام آتا ہے (۶) ان کی تنظیم کی بنیادی اکائی (یونٹ) شاکھا ہے جہاں وہ بلاناغہ روزانہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں (۷) نظم (ڈسپلن) اور پابندی اوقات کو خوبی تصور کیا جاتا ہے اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے (۸) جسمانی ورزش ان کے یہاں پسندیدہ ہے جسے وہ اجتماعی طور پر کرتے ہیں تاکہ ہندو نوجوانوں کی ہمت اور کردار مضبوط ہو (۹) تمباکو اور شراب نوشی کی مخالفت کی جاتی ہے کیونکہ اس سے جسمانی تربیت اور سیرت کی تعمیر میں خلل پڑتا ہے۔

آر ایس ایس کی ابتداء ۱۹۲۵ء میں وجے دشمی پر ناگپور میں ڈاکٹر کیشو رام بلرام ہیڈگوار نے کی ڈاکٹر ہیڈگوار پرانے خیالات کے ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے جب کہ ہندوستان میں برطانیہ کی حکومت تھی۔ اپنے زمانے کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح ان کے اندر بچپن ہی سے وطن سے محبت اور انقلاب کا جذبہ تھا وہ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے اور اس کے صوبائی سیکرٹری ہوگئے۔ ۱۹۲۱ء کی خلافت تحریک سے انہیں یہ خیال ہوا کہ انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلمان پہلے ہیں اور ہندوستانی بعد میں۔ ایک

مرتبہ ایک مسلمان کانگریسی نے انہیں ترکی ٹوپی کو اپنی قومی ٹوپی بنایا۔ اس سے مسلمانوں کے اندر ان کا اعتقاد اور بھی کمزور ہوگیا۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں کا بھی ان پر گہرا اثر ہوا اور "ہندوستان ہندوؤں کا ہے"، نعرہ وجود میں آیا جس کے پیچھے مسلمانوں پر بے اعتمادی کا گہرا جذبہ چھپا ہوا ہے۔ جو آر ایس ایس کے بانی کے لاثانی تجربات کی دین ہے۔

سوراج تحریک کے خاتمہ پر ڈاکٹر ہیڈگوار قطعی طور پر مایوسی کا شکار ہوگئے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ آزادی کی خواہش آسانی سے پوری نہیں ہوگی۔ انہیں اس کا یقین نہ رہا کہ موجودہ تحریک کے ذریعہ آزادی حاصل کی جاسکے گی۔ اس پر طرہ یہ کہ لوک مانیہ تلک کے انتقال کے بعد تحریک کی قیادت گاندھی کے تجرباتی ہاتھوں میں آگئی جو گجراتی تھے۔ دراصل ڈکٹیٹرانہ، مہاراشٹری، ہندو احیائی رجحانات کا اندازہ آر ایس ایس کی بنیادی پرارتھنا سے ہوتا ہے جو ملی جلی مراٹھی اور ہندی زبانوں میں ہے اور جس کا خاتمہ سامرتھ گورو رام داس جی کی جے پر ہوتا ہے۔ (گورو رام داس مہاراجہ شواجی کے استاد تھے)

ڈاکٹر ہیڈگوار کو شروع ہی سے جسمانی ورزش سے متعلق سرگرمیوں اور والنیٹر کور سے دلچسپی تھی۔ جس کا اظہار ان کی تنظیم راشٹریہ سویم سیوک منڈل اور مہاراشٹر ویایام شالہ سے ہوتا ہے۔ پہلی تنظیم ۱۹۲۱ء کی تحریک سے بھی قبل اور دوسری ۱۹۲۲ء میں وجود میں آئی تھی۔ گاندھی کی قیادت اور طریقہ کار کے سلسلے میں ان کی بے یقینی اور ہندوستانی مسلمانوں کے جذبہ قومیت کے بارے میں ان کی بداعتمادی نے ان کے اس عقیدہ کو اور بھی پختہ کر دیا کہ صرف ہندو نوجوانوں کی منظم طاقت ہی ملک کو خوشحالی اور ترقی کی طرف لے جاسکتی ہے۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد کہ ہندو ہی بھارت کی قوم ہیں انہوں نے آر ایس ایس کی تنظیم شروع کر دی اور

صرف ہندوؤں ہی پر اعتماد کیا کیونکہ وہی ہندوستان کو آزاد کرا سکتے تھے اور بھارتی کلچر یعنی ہندو کلچر کو بچا سکتے تھے۔

ڈاکٹر ہیڈگوار نے آر ایس ایس کی پہلی شاکھا اپنے پانچ دوستوں کے ساتھ شروع کی جس میں انہوں نے لاٹھی کی مشق اور جسمانی ورزشیں کیں۔ بھگوا دھوج یعنی زعفرانی رنگ کے قدیم ہندو جھنڈے کو آر ایس ایس کے جھنڈے کے طور پر اختیار کیا روزمرہ کے لیے ایک پرارتھنا کو بھی منتخب کیا گیا یہ پرارتھنا مراٹھی اور ہندی زبانوں میں ملی جلی تھی۔

اس کے بعد ناگپور شہر کے دوسرے حصوں میں بھی آر ایس ایس کی شاکھائیں شروع کیں اور ۱۹۲۶ء میں اس تنظیم کا نام "راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ" ہو گیا۔

۱۹۲۷ء میں ۱۵ اپریل سے ۱۵ جون تک عہدیداران کے لیے ٹریننگ کیمپ لگایا گیا اور اس کے بعد ہر سال مختلف صوبوں میں آر ایس ایس نے یہ عجیب غریب طریقہ ایجاد کیا ہے۔ یہ دکشنا خاص طور پر منعقد کی گئی ایک میٹنگ میں جھنڈے کے نام پر لی جاتی ہے جس میں ملک گیر سطح پر تمام شاکھاؤں میں ایک ہی دن تمام سوئم سیوک اپنی حیثیت اور مرضی کے مطابق حصہ لیتے ہیں۔

۱۹۲۸ء میں تمام سوئم سیوکوں کے لیے حلف نامہ تیار کیا گیا۔ اگلے سال ڈاکٹر ہیڈگوار کو آر ایس ایس کا سرسنگھ چالک (سربراہ) بنا دیا گیا جسے اب آدیہ سرسنگھ چالک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں شری مادھو راؤ سداشیو راؤ گولوالکر جنہیں عموماً شری گروجی کہا جاتا ہے کی ملاقات شری ہیڈگوار سے ہوئی اور انہوں نے آر ایس ایس میں کام کرنا شروع کر دیا۔

۱۹۳۷ء میں ناگپور میں آر ایس ایس کے باقاعدہ کل ہند تنظیم ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور مراٹھی ہندی پرارتھنا کی جگہ سنسکرت کی پرارتھنا کو اختیار کر لیا گیا جس کا

مطلب کچھ اس طرح ہے کہ "اے مادرِ وطن تجھے سلام تو ہمیشہ خوشحال رہے" وغیرہ

مورخہ ۲۱ جون ۱۹۴۰ء کو آر ایس ایس کے بانی کا انتقال ہو گیا اور تمام تنظیم کی ذمہ داری شری گروجی کے کاندھوں پر آ گئی جو اسی وقت سے آر ایس ایس کے سرسنگھ چالک ہیں انہیں آر ایس ایس کے بانی ڈاکٹر ہیڈگوار نے نامزد کیا تھا اور اب جب بھی ضرورت ہو گی یہ اپنی مرضی سے اپنا جانشین نامزد کر دیں گے۔ شری گروجی کی نگرانی میں آر ایس ایس کا فروغ تیزی سے ہوا۔

۱۹۴۳ء میں یوپی کے تقریباً تمام شہروں میں آر ایس ایس کی شاخیں قائم کر دی گئیں۔

۱۹۴۵ء میں ملک کے مختلف صوبوں میں لگائے گئے کیمپوں میں دس ہزار سے زائد سوئم سیوکوں نے شرکت کی۔

۱۹۴۷ء کو آر ایس ایس کی تاریخ میں سب سے اہم سال خیال کیا جاتا ہے کیونکہ اسی سال اسے ہندوؤں میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ مسلم فرقہ پرستی کی بڑھتی ہوئی طاقت کا ڈر، پاکستان بنانے کے مطالبے اور مسلمانوں کی علیحدگی پسندی کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے کانگریس کی مفروضہ کامیابی نے ملک کے طول و عرض میں ہندو عوام کے اندر غم و غصہ کی ایک لہر پیدا کر دی۔ اس موقعہ پر آر ایس ایس نے خود کو ہندو مفاد کا چمپئن اور محافظ ظاہر کر کے حالات سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور اپنے حلقہ اثر کو وسیع کر لیا۔

ہندوستان کی تاریخ میں یہ ایک نازک وقت تھا۔ تقسیم اور برطانیہ کی غلامی سے چھٹکارے کے بعد بھیانک قسم کے ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ آر ایس ایس دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے فسادات کے دوران ہندوؤں کی حفاظت اور ان کی امداد کا کام کر کے نمایاں فرض انجام دیا ہے لیکن حکومت کے کچھ ذمہ دار لوگ

آر ایس ایس پر الزام لگاتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر ہونے والے حملوں میں اس کا ہاتھ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں انہوں نے تمام کانگریسی قیادت اور حکومت کے خلاف دلی میں بغاوت کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ خیال کیا گیا کہ ایسا پاکستان نواز مسلمانوں نے کیا تھا۔ آر ایس ایس اس بات کا بھی دعوے دار ہے کہ اس نے اس سازش کا پتہ لگایا اور اس کی اطلاع سردار ولبھ بھائی پٹیل کو دے کر ملک کو ایک بڑے قومی خلفشار سے بچالیا۔ اس سلسلے میں آر ایس ایس ڈاکٹر بھگوان داس کا حوالہ دیتا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آر ایس ایس کی حب الوطنی کی تعریف کی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آر ایس ایس کے اس دور کے کردار کے بارے میں ہندوستان کے لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ایک گولی نے گاندھی کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ ہندو قوم اس اندوہناک حادثے سے سہم گئی حکومت نے آر ایس ایس پر الزام لگایا کہ گاندھی کے قتل میں اس کا ہاتھ ہے۔ گاندھی کو قتل کرنے کے جرم میں انڈین پینل کوڈ کے دفعات ۳۰۲، ۱۲۰ا کے تحت مورخہ ۳ فروری ۱۹۴۸ء کو گروجی کو گرفتار کر لیا گیا اور ۴ فروری کو آر ایس ایس ایک خلاف قانون تنظیم قرار دے دی گئی۔ کانگریسی ورکروں اور عوام کے اندر آر ایس ایس کے خلاف بڑا غم وغصہ تھا۔ آر ایس ایس کے دفاتر اور اس کے ورکروں پر حملے ہوئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ گاندھی کے قتل میں آر ایس ایس کا ہاتھ تھا۔ ریشم باغ ناگپور میں سنگھ کے بانی کی سمادھی پر بھی حملہ کیا گیا۔

حکومت نے ۶ فروری کو آر ایس ایس پر لگایا گیا یہ الزام کہ گاندھی کے قتل میں اس کا ہاتھ تھا، واپس لے لیا لیکن اسے ایسی فضا پیدا کرنے کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا جس کی وجہ سے گاندھی کا قتل ہوا۔ آر ایس ایس پر یہ بھی جرم عائد

کیا گیا کہ رضا کاروں کی اس کی ذاتی فوج ہے۔ فاشسٹ جماعت کی حیثیت سے اس کی خفیہ تنظیم ہے اور وہ فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرتا ہے۔

آر ایس ایس نے ان تمام الزامات سے انکار کر دیا اور پابندی ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ پابندی ہٹانے کے لیے دستخطوں کی ایک مہم شروع کی گئی اور آر ایس ایس کے تمام ورکروں نے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کو خطوط ارسال کیے اور آر ایس ایس کو قانون کے مطابق جماعت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ آر ایس ایس کی مطبوعات میں دیے گئے اعداد وشمار کے مطابق وزارت داخلہ کو پیش کیے گئے میمورنڈم پر نو لاکھ آدمیوں نے دستخط کیے تھے۔

اس سے آر ایس ایس کے لیے حکومت کے رویہ میں کچھ نرمی پیدا نہیں ہوئی۔ اس لیے اس کے سربراہ شری ایم ایس گوالکر نے پابندی ہٹانے کے لیے حکومت سے بات چیت کی۔ انہوں نے پنڈت نہرو کو خط لکھا اور صحت جرم سے انکار کیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مجھے واقعی خوشی ہوتی اگر ناگہانی پابندی کے بجائے مجھے بھی صفائی پیش کرنے اور ان نازک لمحات میں آپ سے اپنی عقیدت کے اظہار اور حکومت سے تعاون کرنے کا موقعہ دیا جاتا۔

پنڈت نہرو نے آر ایس ایس کے سربراہ کو خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ گوالکر نے ڈیڑھ ماہ تک انتظار کرنے کے بعد اپنے دوسرے خط میں حسب ذیل طریقہ استعمال کیا۔

انہوں نے لکھا "اس وقت جب کہ آر ایس ایس پر پابندی ہے نوجوان تیزی سے کمیونزم کے چنگل میں آرہے ہیں۔ برما، ہند، چینی، جاوا اور دیگر ہمسایہ ملکوں میں تشویشناک حالات کے پیش نظر ہم خرابی کی نوعیت کا اندازہ کر سکتے ہیں کیونکہ اس وقت آر ایس ایس کی واحد موثر رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ اس لیے

ایسا سازگار ماحول پیدا کرنے میں مدد کیجیے جس میں آر ایس ایس ایمانداری کے ساتھ کام کر سکے۔ اور خرابی کا مقابلہ کرنے کے لیے کلچرل طریقہ سے حکومت کی مدد کر سکے۔"

پنڈت نہرو کی طرف سے سیکرٹری نے جواب دیا "حکومت کے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آر ایس ایس ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہے جو ملک کے لیے خطرناک ہیں اور ان سے تعصب جھلکتا ہے۔"

جب یہ منت سماجت بھی کام نہ آئی تو گروجی نے حکومت کو پابندی ہٹانے کے لیے مجبور کرنے کے خیال سے ستیہ گرہ کی دھمکی دی ۔ ۹ دسمبر ۱۹۴۸ء کو جموں وکشمیر اور حیدرآباد کے علاوہ جہاں مخصوص قسم کے حالات تھے سارے ملک میں ستیہ گرہ شروع ہو گیا۔

اسی دوران حکومت اور آر ایس ایس کے درمیان مفاہمت کی بھی کوشش کی گئی ۔ پونا کے شری میکاجی ہردیکر، پنڈت مولی چند شرما اور شری جی این کینکر نے اپنے رسوخ کا استعمال کیا ۔ مدراس کے شری ٹی آر وینکٹ رام نے آر ایس ایس اور حکومت سے مصالحت کی بات چیت کی۔

آر ایس ایس سے ایک تحریری دستور رکھنے کے لیے کہا گیا، دستور بنایا گیا اور گوالکر نے اسے حکومت کے پاس بھیج دیا۔ حکومت نے کچھ اعتراضات کے ساتھ دستور کو واپس کر دیا اور پابندی نہیں ہٹائی ۔

۱۲ جولائی ۱۹۴۹ء کو حکومت نے یکایک آر ایس ایس سے پابندی ہٹالی۔ حکومت کے اس فیصلے سے عوام کے اندر جو آر ایس ایس کے بارے میں ایک خاص ذہن رکھتے تھے ملا جلا ردعمل ہوا۔

آر ایس ایس کے سربراہ کو سرسنگھ چالک کہا جاتا ہے ۔ یہ آر ایس ایس کا

روحِ رواں، فلسفی اور رہبر بھی ہوتا ہے۔ اس عہدے کے لیے کوئی انتخاب نہیں ہوتا۔ سبکدوش ہونے والا سربراہ خالص ہندو طریقے سے اپنا جانشین نامزد کر دیتا ہے۔ سرسنگھ چالک سب سے بڑا عہدہ ہے جو انتظامی ذمہ داریوں سے قطعی پاک ہوتا ہے موجودہ سرسنگھ چالک بالا صاحب دیورس ہیں جو گورو گوالکر کی موت کے بعد سرسنگھ چالک بنے تھے۔ تنظیم کا بنیادی اصول مضبوط مرکز ہے سب سے پہلے یونٹ کو شاکھا کہا جاتا ہے اور ساری تنظیم پر ناگپور مرکز سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔

اہم عہدیداران حسب ذیل ہیں جو اجتماعی طور پر آر ایس ایس کے ڈھانچے کی تشکیل کرتے ہیں۔

۱۔ سرسنگھ چالک۔
۲۔ سرکاریہ واہ وبھیکاریہ واہ (جنرل سکریٹری و سکریٹری)
۳۔ اکھل بھارتیہ بودھک پرکھ
۴۔ اکھل بھارتیہ پرچارک پرکھ
۵۔ اکھل بھارتیہ شاریرک شکشن پرکھ۔
۶۔ اکھل بھارتیہ ندھی پرکھ۔

اس کے بعد صوبہ، ڈویژن، ضلع اور آخر میں منڈل (تحصیل) کی سطحوں پر سرسنگھ چالک کاریہ واہ اور پرچارک ہوتے ہیں۔ ایک شاکھا میں حسب ذیل عہدیدار ہوتے ہیں۔

۱۔ شاکھا کاریہ واہ۔
۲۔ مکھیہ شکھشک۔
۳۔ گان پرکھ اور گھٹ نائک۔

ایک طرف کاریہ کاری منڈل (ورکنگ کمیٹی) کا ایگزیکیٹو طریقہ ہوتا ہے جس کی صدارت اکائی (یونٹ) کا سنگھ چالک کرتا ہے اور دوسری طرف ناظمین (آرگنائزر) کا جال ہوتا ہے۔ جنہیں پرچارک کہا جاتا ہے۔

کاریہ کاری منڈل مقامی اہمیت کے لوگوں کا تعاون اور اشتراک حاصل کرتا ہے جنہیں کام کرنے کی خواہش ہوتی ہے لیکن گھریلو اور دیگر کاروباری ذمہ داریوں کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔ دوسری طرف پرچارک آر ایس ایس کے کل وقتی ورکر ہوتے ہیں جو تنظیم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتے ہیں۔ ناظم پر انتظامی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں بلکہ وہ نظریات پھیلانے اور شاکھاؤں کے جال کو وسیع کرنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔

آر ایس ایس کا جھنڈا بھگوا دھوج (زعفرانی جھنڈا) گرو یعنی استاد ہے اور تمام سوئم سیوک ایک خاص مذہبی تقریب میں فنڈ جمع کرنے کے لیے جھنڈے پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ یہ تقریب ہر سال آر ایس ایس کی تمام شاخوں میں ایک ہی دن منائی جاتی ہے۔ یہ چڑھاوا سوئم سیوکوں سے بھی پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر سوئم سیوک اپنے چڑھاوے کے ساتھ اپنا نام بھی لکھتا ہے۔ ان عطیات دینے والوں کی فہرست کا کچھ خاص لوگوں کو ہی علم ہوتا ہے۔ یہی چندہ آر ایس ایس کی کل آمدنی تصور کیا جاتا ہے۔

تمام ملک پرانتوں (صوبوں) میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہر صوبے میں حکومت کے زیر انتظام متعدد اضلاع ہوتے ہیں یہ پرانت (صوبے) براہ راست پرانت سنگھ چالک، پرانت کاریہ واہ اور پرانت پرچارک کی نگرانی میں ہوتے ہیں لیکن سب سے اہم شخصیت پرچارک ہوتا ہے۔

ہر صوبے کو مزید چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ہر اکائی (یونٹ)

کو ڈویژنل پرچارک کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے ہر ڈویژن میں متعدد اضلاع ہوتے ہیں اور ہر ضلع کو شہروں اور منڈلوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور انہیں ضلع پرچارک اور اس کے تحت منڈل پرچارک کی زیر نگرانی رکھا جاتا ہے۔ شہر کی بھی مزید تقسیم کر دی جاتی ہے اور ہر حصے کا نگران بھاگ پرمکھ اور وبھاگ پرمکھ کو بنا دیا جاتا ہے۔ ایک وبھاگ پرمکھ کے تحت بہت سی ابتدائی شاکھائیں ہوتی ہیں۔ ہر شاکھا کی نگرانی کاریہ واہ کرتا ہے اور گان پرمکھ اور گھاٹ نائک کی مدد سے مکھیہ شکھشک اسے چلاتا ہے۔

شاکھاؤں میں مختلف قسم کے کھیل اور ورزشیں کی جاتی ہیں۔ کھیلے جانے والے تمام کھیل ہندوستانی ہوتے ہیں اور ان کا مقصد ملک سے محبت اور ہندوستانیت کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ آر ایس ایس کے پروگرام میں لاٹھی، لیزم، تلوار، اجولین کی تربیت و مشق اور جسمانی تربیت شامل ہیں۔ جسمانی تربیت، کھیل اور گیت شاکھاؤں میں روزمرہ کا معمول ہیں۔ ان کھیلوں اور ورزشوں میں سے کچھ کی تہہ میں بڑا نفسیاتی و نظریاتی مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔

کھیل، خزانہ اس کی ایک مثال ہے جس میں کھیلنے والوں کو مخالف گروپوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ایک سوئم سیوک کے سر پہ رومال باندھ دیا جاتا ہے اور اسے خزانہ کہتے ہیں۔ دوسرے گروپ کے لوگ اس رومال کو چھیننے کی کوشش کرتے ہیں اور پہلا گروپ خزانہ کی حفاظت کرتا ہے جس کے نتیجے میں سخت جھڑپ ہوتی ہے اور متعدد اشخاص معمولی طور پر زخمی ہو جاتے ہیں۔ کھیل کے خاتمے پر سب لوگ مل کر ایک پرجوش گیت گاتے ہیں۔

اس کے علاوہ کھیل لیڈر نامزد کرنا بھی اس کی ایک مثال ہے۔ اس کھیل میں تمام سوئم سیوک ایک گول دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک شخص سابقہ لیڈر کا

نام لیتا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور لیڈر کا نام شامل کر دیتا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور لیڈروں کے ناموں کی فہرست بڑھتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کسی ایک کھلاڑی سے تمام سابقہ لیڈروں کے نام لینے میں غلطی ہوجاتی ہے اور اسے کھیل سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔

کشمیر کس کا بھی ایک قابل ذکر کھیل ہے۔ زمین پر ایک چھوٹا سا دائرہ یا گڑھا بنا کر اسے تصور کیا جاتا ہے۔ ایک سوئم سیوک اپنی ایڑی اس جگہ رکھ کر زور سے کہتا ہے "کشمیر کس کا" دوسرے لوگ جواباً "ہمارا" کہتے ہیں۔ ایسا تین بار کہا جاتا ہے اور اس کے بعد اس جگہ پر قبضہ کرنے کے لیے کھل کر لڑائی ہونے لگتی ہے۔ جب سوئم سیوک تھک جاتے ہیں تو گان پرمکھ زوردار سیٹی بجاتا ہے اور لڑائی رک جاتی ہے جس شخص کا اس پر قبضہ ہوتا ہے اسے کشمیر کا فاتح خیال کیا جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آر ایس ایس کے کھیلوں کے پیچھے خاص سیاسی مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں۔

آر ایس ایس کی تنظیم میں میٹنگ جسے بیٹھک کہا جاتا ہے کی بڑی اہمیت ہے مختلف عہدے دار یہ بیٹھکیں ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہانہ طور پر کرتے ہیں۔ ان بیٹھکوں کے ذریعہ سوئم سیوک ایک دوسرے سے آر ایس ایس کے کام اور نظریات کے بارے میں واقفیت حاصل کرتے ہیں اور ان سے ورکروں کے اندر تنظیم کے لیے کام کرنے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

آر ایس ایس کے عہدیداران کی تربیت کے لیے ہر سال ہر صوبے میں کیمپ لگائے جاتے ہیں۔ یہ تربیت یافتہ لوگ اپنی شاکھاؤں میں سوئم سیوکوں کو تربیت دیتے ہیں۔ ان کیمپوں کے ذریعے تربیت یافتہ لوگوں میں سے مکھ شکھشکوں اور گان پرمکھوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ آگے چل کر آر ایس

ایس کے پرچارک اور دوسرے عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ پک نک، سڑکوں پہ مارچ، مباحثوں اور کبھی کبھی لیکچروں کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔

ہر سوئم سیوک کی وردی سیاہ ٹوپی، سفید قمیض، خاکی نیکر کی پیٹی، اصطلاحات کی بنیاد سنسکرت ہے۔ مثلاً ڈرل وغیرہ میں وہ ایسی ہی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔

سخت قسم کا نظم (ڈسپلن) آر ایس ایس کی نمایاں خوبی ہے۔ شاکھاؤں کے روزمرہ کے پروگراموں اور دیگر سرگرمیوں کے ذریعہ ورکروں میں ڈسپلن کا خاص احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مختلف عہدے داروں کے لیے مختلف موقعوں کے لیے مقررہ ضابطے بنا دیے گئے ہیں جن کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً چاہے کچھ بھی رکاوٹ کیوں نہ ہو شاکھا روزانہ لگنی چاہیے۔ بشرطیکہ وہ پہلے ہی منسوخ نہ کر دی گئی ہو۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ گورو دکشنا کے ذریعے فنڈ جمع کیا جاتا ہے جس میں تمام سوئم سیوک حصہ لیتے ہیں۔ یہ کام گرو پورنما کے دن کیا جاتا ہے جو عموماً ستمبر یا اکتوبر کے مہینے میں ہوتی ہے اسے ایک مقدس اور مذہبی رسم تصور کیا جاتا ہے....
...عطیات کی فہرست سوئم سیوک لوگوں سے بھی پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔
تمام رقم کاریواہ کو دے دی جاتی ہے اور بعد میں یہ رقم ندھی پرمکھ کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہے جو بطور خازن کام کرتا ہے۔

ہر ضلع میں جمع کی گئی رقم سے ۲۵ فیصد صوبہ کو دیتا ہے جہاں سے ۱۰ فیصد رقم مرکز چلی جاتی ہے۔ عام طور پر رقم بینکوں میں رکھی جاتی ہے گرو دکشنا کے علاوہ سوئم سیوک رضاکارانہ طور پر عطیات دیتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ آر ایس ایس کی تنظیم اور اس کی تمام سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے جب بھی اس کے اس عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو آر ایس ایس کے حلقے اس بات کی قطعی طور پر تردید نہیں کرتے بلکہ اسے رازداری کہنے کے بجائے تخلیہ کہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ بہرصورت وہ بہت سی سرگرمیوں اور واقعات سے متعلق معلومات کو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آر ایس ایس کی میٹنگوں کے لیے کبھی برسرِ عام اعلان نہیں کیا جاتا بشرطیکہ عام جلسے کرنا مقصود نہ ہو۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ فرداً فرداً ان تمام لوگوں کے پاس جاتے ہیں جن کے آنے کی توقع ہوتی ہے اور انہیں آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ پروپیگنڈہ کے لیے وہ لاؤڈ سپیکر اور پوسٹر کا بہت کم استعمال کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے جلسوں میں عام طور پر فوٹو لینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آر ایس ایس کے عہدیداران کو خبر ہونے پر تیار شدہ فلمیں بھی ضائع کر دی جاتی ہیں۔ کچھ خاص موقعوں پر فوٹو لینے کی اجازت ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ جیسا اوپر بتایا گیا ہے کہ انفرادی عطیات کی رقم اور عطیہ دینے والے کا نام پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ سوئم سیوکوں کو جلسوں میں ہونے والی تقریروں کے نوٹس لینے کی بھی اجازت نہیں ہوتی بلکہ یادداشت پختہ کرنے پر زور دیا جاتا ہے کیونکہ تحریری بات پر عمل کم ہی ہوتا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ تقسیم ملک کے دوران پنجاب اور دیگر مقامات پر ہونے والی آر ایس ایس کی سرگرمیوں کو نہ تو شائع ہی کیا گیا اور نہ ہی ان کے بارے میں

ان سوئم سیوکوں کو کچھ بتایا گیا جو اس وقت سرگرمیوں میں شامل نہ تھے۔

آر ایس ایس حسب ذیل چھ تقریبات مناتا ہے (۱) وجے وشمی (۲) رکھشا بندھن (۳) گرو پورنوتسو (۴) مکر سنکرانت (۵) ورشا پرتی پدا (۶) ہندو سامراجیہ و نوتسو۔

جن کا مقصد سوئم سیوکوں میں ہندو طرز زندگی اور طرز فکر پیدا کرنا ہے۔ آر ایس ایس کے نزدیک ان تقریبات کا جو فلسفہ، نفسیات اور اہمیت ہے وہ ان کے اپنے نظریات سے مطابقت رکھتی ہے۔

(ہندی سے ترجمہ)